و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

★

مدیر مسؤل

اسرار احمد

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

جلد ۱۵	جون ۱۹۶۸ء	عدد ٦

فہرست

★ تذکرہ و تبصرہ ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (۲) اسرار احمد ۱

★ تدبر قرآن ★ تفسیر سورۂ مائدہ (۳) مولانا امین احسن اصلاحی ۱۷

★ مقالات ★ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (۳)
پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۳۳

★ تقریظ و تنقید — — — — — — — — " " ۵۰

★ افکار و آراء ★ صدر مملکت کی خصوصی توجہ کے لئے
ھفت روزہ 'المنبر' لائلپور ۵۷

★ سوال و جواب ★ جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ اسرار احمد ۶۱

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور - ۱ (فون 69522)

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15	JUNE 1968	No. 6

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۱

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

از قلم ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس

★ — فکر مغرب کا ھمہ گیر استیلاء ★ — بنیادی نقطۂ نظر

★ — عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش

★ — مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل

★ — علوم عمرانی کا ارتقاء

★ — اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں

★ — تعبیر کی کوتاھی ★ — احیائے اسلام کی شرط لازم: تجدید ایمان

★ — کرنے کا اصل کام ★ — عملی اقدامات ——— اور

★ — مضامین مندرجہ بالا کی تائید و توثیق بعنوان ———

"فکر مغرب کی اساس

اور اس کا تاریخی پس منظر"

از قلم: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سائز $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ ، صفحات: ۵٦، طباعت آفسٹ، قیمت: ایک روپیہ

شائع کردہ

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاھور

طابع: محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاھور پبلشر: محی الدین

دارالاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کا مقصد

علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت ہے۔ تاکہ:

(۱) عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو ــــ اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے 'متعارف' ہوں۔ اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کے لئے وقف کر دیں ـ ـ ـ ـ ـ تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام کی راہ ہموار ہوسکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے ــ آئندہ کے لئے

- ★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں ــــ یا
- ★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ــــــــ ورنہ
- ★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

تذکرہ وتبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمد

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

(۴)

حکم واقامت

"ایمان وتعظیم" ـــ "تلاوت وترتیل" اور "تذکر وتدبر" کے بعد قرآن مجید کا چوتھا حق ہر مسلمان پر یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ اور ظاہر ہے کہ 'ماننا' 'پڑھنا' اور 'سمجھنا' سب فی الاصل 'عمل' ہی کے لیے مطلوب ہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید نہ تو کوئی جادو یا جنتر منتر کی کتاب ہے جس کا پڑھ لینا ہی دفع بلیّات کے لیے کافی ہو، نہ یہ محض حصولِ برکت کے لیے نازل ہوا ہے کہ بس اس کی تلاوت سے ثواب حاصل کرلیا جائے یا اس کے ذریعے جان کنی کی تکلیف کو کم کرلیا جائے ـــ اور نہ ہی یہ محض تحقیق وتدقیق کا موضوع ہے کہ اسے صرف ریاضتِ ذہنی کا تختۂ مشق اور نکتہ آفرینیوں اور خیال آرائیوں کی جولانگاہ بنایا جائے ــــــــ بلکہ، جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یہ "ھُدًی لِّلنَّاس" یعنی انسانوں کے لیے رہنمائی ہے۔ اور اس کا مقصدِ نزول صرف اس طرح پورا ہوسکتا ہے کہ لوگ اسے واقعتہً اپنی زندگیوں کا لائحۂ عمل بنالیں۔

یہی وجہ ہے کہ خود قرآن حکیم اور اس ذاتِ اقدس نے جس پر یہ نازل ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کو بالکل واضح فرما دیا ہے کہ قرآن پر عمل نہ کیا جائے تو اس کی تلاوت یا اس پر غور وفکر کے کچھ مفید ہونے کا کیا سوال، خود ایمان ہی معتبر نہیں رہتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (سورہ مائدہ، آیت ۴۴)	(ترجمہ) اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق کہ جو اللہ نے نازل فرمایا تو ایسے ہی لوگ تو کافر ہیں

بآیاتش ترا کارے جزایں نیست ۔ کہ از یٰسین او آساں بمیری! علامہ اقبالؒ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت فرمادی کہ:

(۱) لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔

(۲) ما اٰمن بالقراٰن من استحل محارمہ (ترمذی شریف)

ترجمہ: جو شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرا لے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔

ایک ایسے شخص کا معاملہ تو مختلف ہے جو ابھی تلاش حق میں سرگرداں ہو اور قرآن کو پڑھ اور سمجھ کر ابھی اس کی حقانیت کے عدم یا اثبات کا فیصلہ کرنا چاہتا ہو، لیکن جو لوگ قرآن کو کتاب الٰہی تسلیم کریں ان کے لئے اس سے استفادے کی شرط لازم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کے رُخ کو قرآن کی سمت میں عملاً موڑ دیں اور اس کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی حتی الامکان سعی کے عزم مصمم کے بعد قرآن کو پڑھیں۔ چاہے اس میں انہیں کیسے ہی کسر و انکسار، ترک و اختیار اور قربانی و ایثار سے سابقہ پیش آئے ——— بلکہ جیسا کہ اس سے قبل 'تلاوت' کے لغوی مفہوم کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت تامہ تو درحقیقت 'منکشف' ہی صرف ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے اس کا مطالعہ کریں ——— اس عزم صادق کے بعد بھی ایک طویل مجاہدے اور کٹھن ریاضت کے بعد ہی نفس انسانی میں تسلیم و انقیاد کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک میں بیان ہوئی جو ابھی میں نے آپ کو سنایا تھا۔ یعنی:

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔

نفس انسانی میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا قرآن کی 'ہدایت تامہ' کا نقطۂ آغاز ہے۔ پھر جوں جوں اس کتاب ہدایت سے استفادہ بڑھتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

والذین اھتدوا زادھم ھدی واٰتٰھم تقوٰھم (سورۂ محمدؐ آیت ۱۷)

اور جو لوگ راہ یاب ہوئے تو ان کو مزید عطا ہوئی سوجھ ——— اور نصیب ہوئی پرہیزگاری۔

یعنی انسان قرآن کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش عملاً شروع کر دے تو صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے گا اور درجہ بدرجہ رشد و ہدایت میں ترقی کرتا چلا جائے گا۔ ——— ورنہ اس کی تلاوت صرف وقت کا ضیاع ہی نہ ہوگی بلکہ عین ممکن ہے کہ اس کے لئے موجب لعنت ہو۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا کہ "قرآن کے بہت سے پڑھنے والے ایسے ہیں جنہیں سوائے لعنت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جب وہ پڑھتا ہے کہ "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" یعنی اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر تو اگر وہ خود جھوٹا ہے تو یہ لعنت خود اسی پر ہوئی!" اسی طرح جب ایک قاری تلاوت کرتا ہے کہ:

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۹)

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ سے۔

تو اگر وہ خود اس حکم الٰہی سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ اور رسولؐ کے اس "اعلان حرب" (ULTIMATUM) کا مخاطب خود وہی ہوا۔ اسی طرح کم تولنے اور کم ناپنے والے، پیٹھ پیچھے برائی کرنے والے اور رُو در رُو طعنہ دینے والے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے "ویل للمطففین" اور "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ" کی دردناک بشارتوں کے مصداق خود ہی بنتے ہیں ——— اسی پر مزید قیاس کر لیجئے کہ عمل کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت سے انسان کو درحقیقت کیا حاصل ہوتا ہے۔

رہا ان لوگوں کا معاملہ جو قرآن حکیم پر تحقیق و تدقیق، غور و فکر اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے ہوں لیکن خود اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے غفلت برتیں تو ان کا معاملہ تو سب سے بڑھ کر سنگین ہو جاتا ہے۔ اور ان کی یہ ساری کد و کاوش اور تحقیق و جستجو صرف ذہنی عیاشی ہی نہیں "فلعب بالقراٰن" یعنی "بازی بازی با ریش بابا ہم بازی" کے مصداق قرآن کے ساتھ کھیل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نتیجۃً ان کے اپنے حصے میں

بھی قرآن سے ہدایت نہیں ضلالت آتی ہے:

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (سورہ بقرہ آیت ۲۶)

گمراہ کرتا ہے (اللہ تعالیٰ) اس سے بہت سوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے بہت سوں کو!

اور خلق خدا کے لیے بھی، یہ طرح طرح کے فتنوں کا باعث اور نت نئی گمراہیوں اور ضلالتوں کا سبب بنتے ہیں، اس لیے کہ ان کا سارا 'قرآنی فکر' اس آیتِ قرآنی کا مصداق بن جاتا ہے کہ:

فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ (سورۂ آل عمران آیت ۷)

تو وہ پیچھے پڑتے ہیں متشابہات کے تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کریں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جنہیں 'تدبر قرآن' کا خاص ذوق عطا ہوا تھا اور جو کئی کئی برس ایک ایک سورت پر غور و فکر اور تدبر و تفہم میں صرف کر دیتے تھے ان کے بارے میں یہ تصریح ملتی ہے کہ ان کے اس توقف کا اصل سبب یہ ہوتا تھا کہ وہ قرآن کے علم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اس پر پورے پورے عمل کا بھی حتی المقدور اہتمام کرتے تھے اور اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہو جاتا تھا کہ جتنا کچھ انہوں نے سیکھا اور پڑھا ہے اس پر عمل کی توفیق بھی انہیں حاصل ہو گئی ہے ——— آپ شاید یہ معلوم کر کے حیران ہوں کہ صحابہ کرام رض قرآن کی کسی سورت یا اس کے کسی حصے کے حفظ کا مطلب صرف یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اسے یاد کر لیا جائے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا علم و فہم بھی حاصل ہو جائے اور اس پر عمل کی توفیق بھی بارگاہِ رب العزت سے ارزانی ہو جائے اور اس طرح قرآن ان کے فکر و عمل دونوں پر حاوی ہو جائے۔

گویا کہ 'حفظ قرآن' کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا کہ قرآن ان کی پوری شخصیت میں رچ بس جائے، اور اس کا نورِ ہدایت ان کے رگ و پے حتیٰ کہ ریشے ریشے میں سرایت کر جائے ——— نتیجۃً اس کے الفاظ ان کے حافظے میں، اس کا علم ان کے ذہن میں، اور اس کی

تعلیمات ان کے اخلاق و عادات اور سیرت و کردار میں 'محفوظ' ہو جائیں[۱]

اسی عمل (PHENOMENON) کی تکمیل و اتمامی کیفیت کا ذکر ہے معلّمۂ امت، امّ المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بغایت درجہ حکیمانہ قول میں جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیسی تھی؟" ——— کہ:

"کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن" یعنی آپؐ کی سیرت تعلیماتِ قرآنی کا مکمل نمونہ تھی اور گویا کہ آپؐ مجسّم قرآن تھے — فداہ ابی و امّی وصلی اللہ علیہ وسلم!

بہرحال — قرآن سے استفادے کی صحیح صورت صرف یہ ہے کہ اس کا جتنا جتنا علم

---

[۱] ملاحظہ ہو 'الاتقان فی علوم القرآن' کی مندرجہ ذیل روایت: (بحوالہ تدبر قرآن۔ مؤلفہ مولانا امین احسن اصلاحی)

وَقَدْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِیُّ حَدَّثَنَا الَّذِیْنَ کَانُوْا یُقْرِءُوْنَ الْقُرْاٰنَ کَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَعَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَغَیْرِھِمَا اَنَّھُمْ اِذَا کَانُوْا تَعَلَّمُوْا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ لَمْ یَتَجَاوَزُوْھَا حَتّٰی یَعْلَمُوْا مَا فِیْھَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالُوْا فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ وَالْعَمَلَ جَمِیْعًا وَلِھٰذَا کَانُوْا یَبْقَوْنَ مُدَّۃً فِیْ حِفْظِ السُّوْرَۃِ۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے جیسے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کہ ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں بھی پڑھ لیتے تھے تو جب تک ان آیات کے تمام علم و عمل کو اپنے اندر جذب نہ کر لیتے آگے قدم نہ بڑھاتے، انہوں نے کہا کہ ہم نے قرآن کے علم و عمل دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ایک سورت کے حفظ میں وہ برسوں لگا دیا کرتے تھے!

وفہم انسان کو حاصل ہو، سے وہ ساتھ کے ساتھ اپنے اعمال و افعال، عادات و اطوار اور سیرت و کردار کا جزو بناتا چلا جائے۔ اور اس طرح قرآن مجید مسلسل اس کے 'خلق' میں سرایت کرتا چلا جائے۔ بصورت دیگر اس کا خطرہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے مطابق کہ:

اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ (ترجمہ: قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف) قرآن کا علم وفہم اس انسان کے خلاف حجت قاطع اور اس کی بدعملی پر سزا و عقوبت کی شدت میں اضافے کا سبب بن جائے۔

یہاں یہ وضاحت البتہ ضروری ہے کہ 'عمل بالقرآن' کے دو پہلو ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ قرآن مجید کے ایسے تمام احکام جو انسان کی انفرادی و نجی زندگی سے متعلق ہوں یا جن پر عمل کا اختیار اسے فی الفور حاصل ہو ان کو بجا لانے پر ہر انسان اسی دم مکلف ہو جاتا ہے جس دم وہ اس کے علم میں آئیں اور ان کے معاملے میں تاخیر و تعویق کا کوئی جواز سرے سے موجود نہیں ہے۔ ایسے احکام کی اطاعت و تعمیل میں کوتاہی وہ جرم عظیم ہے جس کی سب سے بڑی سزا خذلان اور سلب توفیق کی شکل میں ملتی ہے۔ حتیٰ کہ قول و کردار اور علم و عمل کا یہ فرق و تفاوت اور — "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"[1] کی یہ کیفیت بالآخر نفاق پر منتج ہوتی ہے۔ یہی حقیقت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک میں بیان ہوئی کہ:

اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُهَا (مسند احمد) میری امت کے منافقین کی سب سے بڑی تعداد قراء[2] کی ہے

لہٰذا سلامتی کی راہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا جس قدر علم بھی انسان کو حاصل ہو اس پر وہ حتی الامکان فوری طور پر عمل شروع کر دے۔

رہے دوسری قسم کے احکام، یعنی وہ جو ایسے اجتماعی معاملات سے متعلق ہوں جن پر ایک فرد کو کلی اختیار حاصل نہیں ہوتا تو ان کے بارے میں ظاہر ہے کہ ہر شخص بجائے خود مسئول و مکلف نہیں ہوتا، اگرچہ وہ اس پر ضرور مکلف ہے کہ اپنی امکانی حد تک حالات کو بدلنے اور ایسا اجتماعی ماحول برپا کرنے کی سعی و جہد کرے جس میں پورے کا پورا قرآن سمویا جا سکے۔ اور اس کے تمام احکامات

[1] سورۂ صف آیت ۲: "اے اہل ایمان، کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔"

[2] واضح رہے کہ یہاں قرّاء سے مراد معروف معنی میں محض قاری نہیں بلکہ ان میں وہ عالم بھی شامل ہیں جو قرآن پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہوں لیکن اس پر عمل نہ کریں۔

کی مکمل تنفیذ کی جا سکے۔ ان حالات میں اس کی یہ کوشش اور جدوجہد "مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ"[1] اور ان اجتماعی احکامات کی بالفعل تعمیل کی قائم مقام ہو جائے گی۔ لیکن اگر انسان ایسی جدوجہد بھی نہ کرے اور مطمئن ہو کر بس اپنی زندگی کی بقا اور اپنے بال بچوں کی پرورش میں لگا رہے تو اس صورت میں سخت خطرہ ہے کہ قرآن مجید کے انفرادی و نجی نوعیت کے احکام پر عمل بھی "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ"[2] کے مصداق گردانا جائے!

جس طرح فہم قرآن کے لیے قرآن مجید کی وسیع تر اصطلاح 'تذکّر' ہے، اسی طرح قرآن پر 'عمل' کے لیے قرآن کی سب سے جامع اور کثیر الاستعمال اصطلاح "حکم بما انزل اللہ" ہے۔ 'حکم' کے ذیل میں قرآن مجید نے اصل الاصول تو یہ متعین کیا ہے کہ:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (سورۂ یوسف و سورۂ انعام) (ترجمہ) 'حکم' (کا اختیار) سوائے اللہ کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

پھر خود قرآن مجید کو 'حکم' قرار دیا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (سورہ رعد آیت ۳۷)۔ (ترجمہ) اور اسی طرح اتارا ہم نے اسے حکم بنا کر عربی زبان میں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی یہ قرار دیا کہ:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۝ (سورہ نساء آیت ۱۰۵) (ترجمہ) بے شک، اتاری ہم نے تجھ پر کتاب حق کے ساتھ تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں کے مابین اس سوجھ کے ساتھ جو اللہ نے تجھ کو عطا فرمائی ہے

اور سورہ مائدہ میں دو ٹوک فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق 'حکم' نہ کریں وہی کافر

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۶۴: "اور جب کہا ان میں سے ایک گروہ نے کہ کیوں نصیحت کرتے ہو ایسے لوگوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک یا شدید عذاب میں مبتلا کر کے رہے گا، انہوں نے جواب دیا تاکہ پروردگار کے یہاں ہمارا عذر قبول ہو۔ اور (پھر) کیا عجب کہ وہ (خدا سے) ڈر ہی جائیں۔"

[2] سورۂ بقرہ آیت ۸۵: "تو کیا تم ایمان رکھتے ہو کتاب الٰہی کے کچھ حصے پر اور کفر کرتے ہو دوسرے سے؟"

ظالم اور فاسق ہیں (آیات ۴۴، ۴۵، اور ۴۷)

'حکم' کا مفہوم ایک لفظ میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ لفظ 'فیصلہ' ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ بات پیش نظر رہے کہ انسان میں اصل اہمیت کی چیزیں دو ہیں۔ ایک اس کا فکر ۔ اور دوسرے اس کا عمل ۔ 'حکم' ایک ایسی جامع اصطلاح ہے جو بیک وقت ان دونوں کا احاطہ بھی کرتی ہے اور خاص طور پر ان کے ربط و تعلق کو واضح اور ان کے مقام اتصال کو نمایاں کرتی ہے ۔ کوئی خیال یا نظریہ جب انسانی فکر میں ایسا رچ بس جائے کہ اس کی 'رائے' اور 'فیصلہ' یعنی 'حکم' بن جائے تو اس کا عمل خود بخود اس کے تابع ہو جاتا ہے ۔ اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے قرآن حکیم نے عمل بالقرآن کے لیے 'حکم بما انزل اللّٰہ' کی اصطلاح استعمال کی تاکہ یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ قرآن مجید پر عمل درحقیقت اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کا فکر قرآن کے تابع ہو جائے اور قرآن کا بیان کردہ علم حقیقت انسان کے دل اور دماغ دونوں میں جاگزیں ہو جائے۔

آسمانی کتابوں پر عمل کے لیے قرآن مجید کی دوسری اصطلاح 'اقامت' کی ہے ۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا گیا کہ :

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

(ترجمہ) اور اگر وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو، اور اس کو جو نازل ہوا ان کی جانب ان کے رب کی طرف سے، تو کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی :

(سورہ مائدہ آیت ۶۶)

اور اس کے متصلاً بعد یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

(ترجمہ) کہہ دو! اے اہل کتاب جب تک تم تورات، انجیل اور جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہ کرو تم کسی بنیاد پر نہیں ہو۔

(سورہ مائدہ آیت ۶۸)

'حکم بما انزل اللّٰہ' کا تعلق زیادہ تر افراد کے فکر و عمل سے ہے ۔ جبکہ 'اقامتِ ما انزل من اللّٰہ' سے مراد خاص طور پر اس نظام عدل اجتماعی کا قیام ہے ۔ جو کسی اجتماعیت کے شریک

افراد اور کسی معاشرے کے مختلف طبقات کے مابین قسط اور عدل و انصاف پر مبنی 'توازن' کا ضامن ہوتا ہے اور جس میں بڑھنے کے بعد کسی کے کسی پر ظلم و عدوان اور بغی و طغیان کا امکان باقی نہیں رہتا اور سیاسی جبر یعنی (POLITICAL REPRESSION) اور معاشی استحصال یعنی (ECONOMIC EXPLOITATION) سب کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶۶ جو ابھی میں نے آپ کو سنائی تھی اس میں 'اقامتِ ما انزل من اللّٰہ' کے ثمرات کے طور پر عمومی خوشحالی و فارغ البالی کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے ۔

اس نظام عدل و قسط کے قیام کا تذکرہ کمال اجمال و غایت اختصار کے ساتھ تو سورہ حدید کی اس آیت میں ہوا ہے کہ :

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (سورہ حدید آیت ۲۵)

(ترجمہ) ہم نے بھیجے اپنے رسول کھلی نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور میزان ۔ تاکہ سیدھے رہیں لوگ انصاف پر ۔

لیکن سورہ شوریٰ میں اس کا بیان ایسی وضاحت کے ساتھ ہوا ہے کہ اس سے حکم الٰہی اور اقامتِ دین اور ایمان بالکتاب اور قیام نظام عدل اجتماعی کا باہمی ربط و تعلق بالکل واضح ہو جاتا ہے ۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں ایک نہایت حکیمانہ تدریج و ترتیب کے ساتھ اس مضمون کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں چنانچہ سب سے پہلے وہی اصل الاصول بیان ہوا جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں یعنی یہ کہ حکم کا کل اختیار اللّٰہ تعالیٰ کو ہے ۔ چنانچہ آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہوا :

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ

(ترجمہ) اور جس معاملے میں بھی تمہارے مابین اختلاف ہو اس کے فیصلے کا حق اللّٰہ ہی کو ہے !

پھر آیت ۱۳ میں اسی 'حکم الٰہی' کے دین و شریعت کی شکل پر ڈھلنے کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ :

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ

(ترجمہ) راستہ مقرر کر دیا تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم دیا تھا نوح کو ۔ اور جو وحی کیا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو ۔ کہ قائم رکھو دین اور مت اختلاف میں پڑو اس کے بارے میں !

پھر آیت ۱۵ میں آنحضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے فرمایا گیا :

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط

(ترجمہ) پس تو اسی کی دعوت دے، اور قائم رہ جیسا حکم ہوا تجھے۔ اور مت پیچھے چل ان کی خواہشوں کے۔ اور کہہ دے کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ نے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں!

پھر آیت ۱۷ میں اس پوری بحث کا خاتمہ ان جامع الفاظ پر ہوا کہ :

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ط وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝

(ترجمہ) اللہ ہی تو ہے جس نے اتاری کتاب کامل حق کے ساتھ اور میزان بھی — اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو۔

'میزان' کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بڑی جامع بات فرمائی ہے کہ :

"اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں۔ اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق اور مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ!"

قرآن مجید تشتت و انتشار اور افتراق و اختلاف کا اصل سبب "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" کو قرار دیتا ہے چنانچہ سورۂ شوریٰ کے اس دوسرے رکوع میں بھی "وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ" کے تاکیدی حکم کے بعد آیت ۱۴ میں تفرقہ و انتشار کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ :

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ

(ترجمہ) اور نہیں تفرقے میں پڑے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس 'العلم' پہنچ چکا ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کی غرض سے،

دینِ حق اور اللہ کی نازل کردہ کتاب اور میزان کی اقامت سے اس بغی و طغیان کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ پھر نہ احبار اور رہبان کے لیے یہ موقع رہتا ہے کہ وہ "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بن کر بیٹھ سکیں۔ نہ سرمایہ "دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ"[۱]

[۱] سورۂ حشر آیت ۷: "تمہارے دولتمندوں ہی کے مابین الٹ پھیر میں!"

کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ نہ ہی کسی سیاسی جبر و استبداد کا موقع باقی رہتا ہے۔ بلکہ تمام انسان اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ اور ان کے اولی الامر کا فرض یہ قرار پاتا ہے کہ وہ ہر ضعیف کو قوی سمجھیں جب تک اسے اس کا حق نہ دلوا دیں اور ہر قوی کو ضعیف سمجھیں جب تک اس سے حق وصول نہ کر لیں —— 'اقامت ما انزل من اللہ' کے ذریعے ایسے عادلانہ و منصفانہ نظام اجتماعی کا قیام کتاب الٰہی کے ماننے والوں کا وہ فرض ہے جس پر وہ بحیثیت مجموعی مکلف ہیں اور جس کے بارے میں جوابدہی کی فکر انہیں کرنی چاہیے —— یہی وجہ ہے کہ سورۂ شوریٰ میں اس سلسلۂ مضمون کے آخر میں یہ فرما کر کہ کیا عجب کہ قیامت قریب ہی ہو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ کتاب اور میزان کے حقوق کی ادائیگی کی جلد فکر کرو ایسا نہ ہو کہ تم نیت و عمل اور تاخیر و تعویق ہی میں پڑے رہو اور آخری حساب کتاب کی گھڑی اچانک آن کھڑی ہو۔ اور اللہ کی کتاب اور میزان کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ بمصداق "لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" اور "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ" اس نظام عدل اجتماعی کو عملاً قائم کر دیا جائے جو اللہ نے دین و شریعت کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ کتاب الٰہی کے اس حق کی ادائیگی کے لیے کیا عملی تدبیر اختیار کی جائے؟ تو اگرچہ یہ موضوع میری اس وقت کی گفتگو سے براہ راست متعلق نہیں تاہم یہ اشارہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اقامت دین اور قیام نظام عدلِ قرآنی کی جدوجہد کو دنیا کی کسی دوسری سیاسی، معاشی یا معاشرتی تحریک پر قیاس کرنا نہایت غلط اور اس کا عملی نقشہ کسی دوسری تحریک سے اخذ کرنا سخت مضر ہی نہیں انتہائی مہلک ہے۔ جس طرح ایک فرد میں اسلام کی مطلوبہ تبدیلی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے قرآن کو اس کے دل و دماغ میں اتارا جائے تاکہ اس کا ذہن و فکر اور جذبات و احساسات سب قرآن کے تابع ہو جائیں نتیجۃً اس کا عمل از خود قرآن کے تابع ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی ہیئت اجتماعی میں بھی اسلامی انقلاب صرف اس طرح برپا کیا جا سکتا ہے کہ پہلے اس کے ذہین اور سوچنے اور سمجھنے والے طبقات کے قلوب و اذہان نور قرآن سے منور ہوں اور ان کے 'فکر و نظر' میں قرآنی انقلاب برپا ہو جائے۔ کسی ہیئت اجتماعیہ کے اصحاب علم و فکر کے طبقے میں ایمان اور یقین کا ایک مضبوط (NUCLEUS) قائم ہو جائے تو پھر اس سے نور ایمان اور بصیرت دینی ان دوسرے طبقات تک سرایت کریں گے جو جسد اجتماعی میں اعضا و جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ پوری ہیئت نور ایمان سے جگمگا اٹھے گی اور پورے کا پورا دین اپنے مکمل نظام عدل اجتماعی سمیت قائم ہو سکے گا —— اس ایک راہ کے سوا اقامت دین کی کوئی اور راہ موجود نہیں

اور یہ خیال تو باطل ہی خام اور "وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ"[1] کا کامل مصداق ہے کہ کسی مسلمان قوم کے اسلام کے ساتھ ایک موروثی مذہب کی حیثیت سے جذباتی لگاؤ اور تعلق کو استغلال (EXPLOIT) کر کے ایک سیاسی تحریک برپا کر دینے سے قرآن کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے ـــــ

بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات جو اس وقت عرض کرنی مقصود ہے یہ ہے کہ قرآن مجید پر عمل یعنی "حکم بما انزل اللہ" اور "اقامت ما انزل من اللہ" قرآن مجید کا وہ حق ہے جو ہر مسلمان پر اس کی انفرادی حیثیت میں اور پوری امتِ مسلمہ پر اجتماعی اعتبار سے عائد ہوتا ہے اور جس کی ادائیگی کی فکر ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی طور پر اور پوری امت کو اجتماعی طور پر کرنی چاہیے۔

۵۔ تبلیغ و تبیین[2]

ماننے، پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اور حق بھی ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد عائد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ دوسروں تک پہنچانے کے لیے قرآن حکیم کی اصل اور جامع اصطلاح "تبلیغ" ہے۔ لیکن تبلیغ کے پہلو بھی بہت سے ہیں اور مدارج و مراتب بھی۔ حتیٰ کہ تعلیم بھی تبلیغ ہی کا ایک شعبہ اور تبیین بھی اسی کا ایک بلند تر درجہ ہے۔

قرآن حکیم خود اپنے مقصدِ نزول کی تعبیر ان الفاظ میں کرتا ہے:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (سورۂ ابراہیم آیت ۵۲)

(ترجمہ) یہ (قرآن) پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے اور تاکہ وہ اس کے ذریعے خبردار ہو جائیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے نزول کا اولین مقصد یہ قرار دیتا ہے کہ:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۚ (سورۂ انعام ـ آیت ۱۹)

(ترجمہ) اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں تمہیں اور جنہیں بھی یہ پہنچ جائے انہیں اس کے ذریعے خبردار کر دوں۔[3]

ساتھ ہی اس بات کو غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دیتا ہے کہ اس قرآن پاک کی بلاکم و کاست اور بعینہٖ تبلیغ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرضِ منصبی ہے جس میں ادنیٰ کوتاہی بھی فرائضِ نبوت و رسالت میں تقصیر

---

[1] سورۂ عنکبوت آیت ۴۱: "اور سب گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہے"۔

[2] یہ حصہ اصل تقریر میں شامل نہیں تھا۔ اب اس لیے شامل کیا جا رہا ہے تاکہ موضوع کا پورا احاطہ ہو جائے، اور قرآن مجید کا یہ حق بھی نگاہوں کے سامنے آ جائے۔

[3] واضح رہے کہ ایک بگڑے ہوئے معاشرہ میں "تبلیغ" کا پہلا قدم "انذار" ہی کا ہوتا ہے۔

شمار ہوگی۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں انتہائی تاکیدی حکم دیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ (سورۂ مائدہ آیت ۶۷)

(ترجمہ) اے رسولؐ جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی (بلاکم و کاست) تبلیغ کرو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے فرضِ رسالت کو ادا نہیں کیا۔

بعثت کی پہلی ساعت سے لے کر حیاتِ دنیوی کی آخری گھڑی تک مسلسل تیئیس سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے محنت و مشقت اٹھاتے اور شدائد و مصائب برداشت کرتے رہے اور اس عرصہ میں آپ کی دعوت، اگرچہ بہت سے مراحل سے گزری جن میں آپؐ کی مصروفیات بہت متنوع نظر آتی ہیں لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے عرصے میں آپؐ کی توجہات کا اصل مرکز قرآن مجید ہی رہا، اور اسی کی تلاوت و تبلیغ اور تعلیم و تبیین کو آپ کی پوری سعی و جہد کا اصل محور ہونے کی حیثیت حاصل رہی۔ چنانچہ قرآن مجید میں چار مقامات پر آپؐ کے طریقِ دعوت و تبلیغ اور منہجِ اصلاح و انقلاب کی وضاحت ان الفاظ میں ہوئی ہے کہ:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(ترجمہ) وہ (آنحضورؐ) تلاوت کرتے ہیں ان پر اس (خدا) کی آیات، اور تزکیہ کرتے ہیں ان کا۔ اور تعلیم دیتے ہیں ان کو کتاب اور حکمت کی۔

(سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ جمعہ)

ان الفاظِ کریمہ کا مطلب وہی ہے جو میں اس سے قبل آپ کے سامنے اسلامی انقلاب کے مخصوص طریق کی وضاحت کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں ـــــ بہرحال اس طریق پر مسلسل تیئیس برس محنت کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تبلیغ کا حق ادا فرما دیا، اور اللہ کی امانت اس کے بندوں تک پہنچا دی۔ ادائے امانتِ الٰہی کی اس جدوجہد کے دوران بھی آپؐ نے بیشمار مواقع پر اپنے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی میں اس تاکیدی حکم کے ذریعے تعاون حاصل فرمایا کہ:

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً

(ترجمہ) پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت۔

اور اپنے مشن کی تکمیل پر مستقبل کے لیے فریضۂ تبلیغِ قرآن کی پوری ذمہ داری اپنی امت کے حوالے فرما دی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبے میں سوا لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعدد بار یہ شہادت لے کر کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے آئندہ کے لیے یہ مستقل ہدایت

جاری فرمادی کہ :

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (ترجمہ) اب جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ۔

اور اس طرح قیامت تک کے لیے فریضۂ تبلیغ قرآن کا بوجھ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر آگیا جس کے لیے بحیثیت مجموعی وہ خدا کے ہاں مسئول ہوگی ۔ ——— اب ظاہر ہے کہ امت افراد ہی پر مشتمل ہے ۔ لہٰذا اس امت کا ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے ۔ علماء اور فضلاء پر یہ ذمہ داری ان کے علم و استعداد کی نسبت سے عائد ہوتی ہے اور عوام پر ان کی صلاحیت کی نسبت سے ۔ بہرنوع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مبارک الفاظ کے عموم سے کہ " بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً " ثابت ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری سے بالکل بری کوئی بھی نہیں ۔ جسے ناظرہ پڑھنا آتا ہے وہ دوسروں کو ناظرہ پڑھنا سکھادے ، جسے حفظ ہے وہ دوسروں کو یاد کرائے جسے ترجمہ آتا ہے وہ دوسروں کو ترجمہ پڑھائے اور جسے اس کا کچھ علم و فہم حاصل ہے وہ اسے دوسروں تک پہنچائے ۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو ایک آیت ہی یاد ہو اور وہ اسے ہی دوسروں کو یاد کرا دے ۔ یا قرآن کی کسی ایک آیت یا سورت کا مفہوم معلوم ہو اور وہ صرف اسی کا علم دوسروں تک منتقل کردے تو یہ بھی تبلیغ قرآن میں شامل ہے ۔ اگرچہ اس مقدس اور عظیم الشان فرض کی ادائیگی کی جو ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے وہ صرف اس وقت پوری ہو سکتی ہے جب قرآن کا متن اور اس کا مفہوم اطراف و اکناف عالم تک پہنچا دیا جائے ——— بحالاتِ موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات اور ایک سہانا خواب معلوم ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ وہ امت جو قرآن کو تمام اقوام عالم تک پہنچانے کی ذمہ دار بنائی گئی تھی آج اس کی محتاج ہے کہ خود اسے قرآن پہنچایا جائے ۔ لہٰذا اس وقت اصل ضرورت اس کی ہے کہ خود امتِ مسلمہ میں تعلیم و تعلّم قرآن کی ایک رو چل نکلے اور ہر مسلمان درجہ بدرجہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگ جائے ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا تبلیغ ہی کا ایک شعبہ تعلیم کا ہے ۔ اور اسی کا ایک اعلیٰ درجہ وہ ہے جسے قرآن حکیم " تبیین " کا نام دیتا ہے ۔ یعنی یہ کہ قرآن مجید کو صرف 'پہنچا' ہی نہ دیا جائے بلکہ اس کی پوری وضاحت کی جائے اور ایک تو جیسا کہ میں نے قرآن کے تذکیر کے ضمن میں عرض کیا تھا لوگوں کے ذہنوں کے قریب ہو کر کلام کیا جائے اور قرآن کا نور ہدایت لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے روشن کر دیا جائے ، اور دوسرے یہ کہ اس کی سُوَر و آیات کے مدلولات و مضمرات کو پوری طرح کھول دیا جائے ۔

قرآن حکیم نے اپنے آپ کو 'بیان' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے جیسے :

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (ترجمہ) یہ وضاحت ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لیے

(سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳۸)

اور اپنے لیے 'مبین' اور اپنی آیات کے لیے بیّنات اور مبیّنات کی صفات کا استعمال نہایت کثرت سے کیا ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ کتب الٰہی کی تبیین و توضیح انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری بھی ہے اور ان امتوں کی بھی جو ان کی حامل بنائی جاتی ہیں ۔ جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ :

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (ترجمہ) اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ 'یاد داشت' تاکہ تو واضح کردے لوگوں کے سامنے جو کچھ اترا ہے ان کے لئے ،

(سورۂ نحل آیت ۴۴)

اور اہل کتاب کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان سے تبیینِ کتاب کا عہد لیا گیا تھا :

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ (ترجمہ) اور جب عہد لیا اللہ نے ان سے جنہیں عطا فرمائی اپنی کتاب کہ اس کو واضح کروگے لوگوں کے لیے ،

(سورۂ آل عمران آیت ۱۸۷)

لیکن جب انہوں نے اپنے اس فرض کو ادا نہ کیا اور اس کتمانِ حق کے مرتکب ہوئے تو لعنتِ خداوندی کے مستحق قرار دیئے گئے :-

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ (ترجمہ) بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو نازل فرمائیں ہم نے واضح چیزیں اور ہدایت اس کے بعد کہ واضح کردیا ہم نے اس کو لوگوں کے لیے اپنی کتاب میں ۔ تو لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے ۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۵۹)

اس 'تبیین' کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر قوم پر اس کی عام زبان اور آسان محاورے میں سہل انداز سے قرآن مجید کا سرسری مفہوم واضح کر دیا جائے ۔ اس لئے کہ کسی قوم کے لیے تبیینِ قرآن اس کی اپنی زبان ہی میں ہو سکتی ہے

جیسا کہ فرمایا گیا کہ :

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورۂ ابراہیم آیت ۴)

(ترجمہ) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر بولی بولنے والا اپنی قوم ہی کی تاکہ واضح کر دے ان پر (اللہ کا پیغام)

اور اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے علم و حکمت اور اس کے مضمرات و مقدرات کو کھول کر بیان کیا جائے، اس کے منہج استدلال کو واضح کیا جائے۔ اس کے دلائل و براہین کی مدد سے تمام گمراہ کن خیالات و نظریات کی مدلل تردید کی جائے، اور وقت کی بلند ترین علمی سطح پر اعلیٰ ترین علمی استدلال کے ساتھ قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات کی حقانیت کو مبرہن کر دیا جائے۔ تبیین قرآن کے ادنیٰ درجے کے حق کی ادائیگی کی صورت فی الوقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر قابل ذکر زبان میں قرآن مجید کے فصیح و بلیغ تراجم مع مختصر تشریح و تفسیر شائع کیے جائیں اور ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے ——— اور اعلیٰ درجہ میں اس کے حق کی ادائیگی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ میں نے تدبر قرآن کے ضمن میں عرض کیا تھا عالم اسلام میں جا بجا ایسی اکیڈمیاں اور یونیورسٹیاں قائم ہوں جن کا مرکزی موضوع قرآن حکیم ہو اور ان کے ذریعے اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن مجید کی ہدایت کی وضاحت کی جائے۔

حضرات! یہ ہیں قرآن مجید کے حقوق جو میرے فہم کے مطابق ہم سب پر بحیثیت مسلمان عائد ہوتے ہیں اور جن کی ادائیگی کی فکر ہمیں کرنی چاہیے۔ ہم وہ خوش قسمت قوم ہیں جن کے پاس اللہ کا کلام پاک من و عن محفوظ اور موجود ہے۔ یہ بات جہاں بہت بڑے اعزاز کا باعث ہے وہیں اس کی بنا پر ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے۔ ہم سے پہلے کتب الٰہی کے حامل بنی اسرائیل بنائے گئے تھے لیکن جب انہوں نے اس منصب عظمیٰ کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا اور ثابت کر دیا کہ وہ اس اعزاز و اکرام کے لائق نہیں تو ایک دوسری امت برپا کر دی گئی اور اسے قرآن مجید کا حامل بنا کر کھڑا کر دیا گیا۔ سورۂ جمعہ کی آیت ۵ میں کتاب الٰہی کا حامل ہو کر اس کے حقوق کو ادا نہ کرنے والوں کے لیے پہلے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ :

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا

(ترجمہ) ان لوگوں کی مثال جو حامل تورات بنائے گئے پھر نہ اٹھایا انہوں نے اس (کی ذمہ داری) کو اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ پیٹھ پر لادے پھرتا ہو۔

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ مائدہ

(۳)

۶- آگے کا مضمون، آیات ۱۵-۱۹

آگے کا مضمون آیات ۱۵

آگے یہود و نصاریٰ دونوں کو بانداز تنبیہ توجہ دلائی ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ کر اور اس کی کتابیں ضائع کر کے جس تاریکی اور جس مذہبی جنگ و جدال میں پھنس گئے ہو اس سے نکالنے اور سلامتی کی راہ پر لانے کے لیے اللہ نے تمہیں پھر روشنی دکھائی ہے اور ایک واضح کتاب بھیجی ہے۔ اب اس کتاب اور اس رسول کے بعد تمہارے سامنے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اگر اس اتمام حجت کے بعد بھی تم اسی تاریکی میں پڑے رہے تو یاد رکھو، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی گرفت سے باہر کوئی نہیں نکل سکتا۔

آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۵-۱۹

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى
فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۹

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول وہ بہت سی باتیں ظاہر کرتا ہوا آگیا ہے جو تم کتاب کی چھپاتے رہے ہو اور وہ بہت سی باتیں نظرانداز بھی کر رہا ہے۔ اب تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کرنے والی کتاب آگئی۔ اس کے ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں سلامتی کی راہیں دکھا رہا ہے اور اپنی توفیق بخشی سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لا رہا ہے اور ایک صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ ۱۵-۱۶

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ پوچھو کون اللہ سے کچھ اختیار رکھتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو، اس کی ماں کو اور جو زمین میں ہیں ان سب کو۔ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کی بادشاہی۔ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۷

اور یہود اور نصاریٰ نے دعویٰ کیا کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ پھر وہ تمہیں تمہارے جرموں پر سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ بلکہ تم بھی اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سے بشر ہو۔ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ ۱۸

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تمہارے لیے دین کو واضح کرتا ہوا آگیا ہے۔ مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ہوشیار کرنے والا تو آیا ہی نہیں۔ دیکھو، ایک بشیر و نذیر تمہارے پاس آگیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۹

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ
تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ
مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۱۶

الفاظ اخفاء، تحریف کی نوعیت کا جامع لفظ

'يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ'۔ تحریف، خواہ تبدیلِ الفاظ کی نوعیت کی ہو یا تبدیلِ معنی کی نوعیت کی، سب کا اصل مقصد حقیقت پر پردہ ڈالنا اور خلق کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے اس کے لیے جامع لفظ 'اخفاء' کا استعمال کیا ہے جس کے تحت ان کی لفظی و معنوی تحریفیں بھی آگئیں اور ان کی کتابوں کی وہ آیتیں بھی جن کو اہل کتاب کے علماء اس اندیشے سے عام لوگوں سے چھپاتے تھے کہ ان کے خلاف شریعت اقدامات کی پردہ دری نہ ہو یا ان کی بنا پر آخری بعثت کے باب میں ان پر کوئی حجت نہ قائم ہو سکے۔ فرمایا کہ یہ رسول تمہاری بہت سی تحریفات بے نقاب کر رہا ہے اور ایسی بھی بہت سی ہیں جن کو نظرانداز کر رہا ہے اس لیے کہ مقصود اصل حقیقت کو ظاہر کرنا اور شریعت الٰہی کی تجدید و تکمیل ہے نہ کہ تمہاری تذلیل و تفضیح۔

نور اور کتاب مبین

'قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'۔ نور سے مراد قرآن مجید ہے اور 'کتاب مبین' اس نور کی شرح و تفسیر ہے۔ قرآن مجید حکمت اور شریعت دونوں کا مجموعہ ہے۔ وہ ذہنی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کے لیے عمل کی صحیح شاہراہ معین کرتا ہے اس وجہ سے نور بھی ہے اور کتاب مبین بھی۔ اہل کتاب کو اللہ تعالےٰ نے جو روشنی عطا فرمائی تھی اس کو ضائع کر کے وہ پھر تاریکیوں میں گھر گئے تھے۔ اصل حقیقت گم تھی، اور رشد و راہ ناپید۔ اس وجہ سے ان کے درمیان جنگ و جدل کی وہ آگ بھڑک اٹھی تھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

ہدایت کے لئے طلب ضروری شرط ہے

'يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ الاية'، یہ اس کتاب کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ نے یہ کتاب اس لیے اتاری ہے کہ اگر تم اس پر ایمان لائے تو یہ تم کو اس جنگ و جدل سے نجات دے کر امن و سلامتی کی راہ پر، تاریکی سے نکال کر روشنی میں اور کج روی اور ضلالت کی وادیوں سے نکال کر خدا کی صراط مستقیم پر لائے گی، بشرطیکہ تمہارے اندر خدا کی خوشنودی کی طلب ہو اور تم اپنے تعصبات کی

یٹیاں اپنی آنکھوں سے کھول کر اس روشنی کو دیکھو اور اس کی قدر کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے اندر رضائے الٰہی کی جستجو نہ ہو بلکہ وہ اپنی خواہشات کے پرستار بنے رہیں، ان کے لیے توفیق کا دروازہ نہیں کھلتا۔ 'بِاِذْنِہٖ' کے لفظ سے اسی سنت اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی یہ سعادت خدا کے اذن سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اذن ان کے لیے ہوتا ہے جن کے اندر رضائے الٰہی کی جستجو ہوتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (۱۷)

اب یہ نصاریٰ کے نقض عہد کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے تمام عہد و میثاق کی جو جڑ ہے یعنی توحید اسی پر کلہاڑا رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے مسیح ابن مریم کو خدا بنا بیٹھے۔ موجودہ مسیحیت، جس کا بانی پال ہے، اصلاً تو حلول و اتحاد کے عقیدے پر مبنی ہے، یعنی ان کے نزدیک مسیح کی شکل میں خدا ہی نے ظہور کیا ہے لیکن بعض اعتراضات سے بچنے کے لیے، جیسا کہ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، اس کو اس چیستاں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، جس کو تثلیث کہتے ہیں۔ گویا حلول اس عقیدے کی روح ہے، اور تثلیث اس کی تعبیر۔ قرآن نے کہیں ان کی اس گمراہی کی روح کو واضح کیا ہے، کہیں اس کی معروف تعبیر سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پال کا اصل مقصود مسیحؑ کو خدا ثابت کرنا تھا۔ اس کے لیے اس نے ان کی خارق عادت ولادت، اور ان کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے سے مواد فراہم کیا لیکن انجیلوں میں چونکہ باپ، روح القدس اور حضرت مریم کا بھی ذکر تھا اس وجہ سے اسے یہ محنت کرنی پڑی کہ اُلوہیت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی ایسی تعبیر اختیار کرے کہ ان سب کے لیے اس میں کوئی نہ کوئی جگہ نکل آئے۔ لیکن یہ سارا گورکھ دھندا تو بس چند بال کی کھال ادھیڑنے والوں کے ذہن میں یا چند چیستاں قسم کی کتابوں کے اندر بند رہتا ہے، عام ذہن تو خلاصہ پسند ہوتا ہے وہ ان موشگافیوں میں کہاں پڑتا ہے۔ چنانچہ عوام نے اس سارے افسانے میں سے صرف اتنی بات اپنے ذہن میں راسخ کرلی کہ مسیح خدا ہیں۔ یہی حال عربوں کا ہوا۔

لہ اس مسئلے پر ہم نے اپنی کتاب 'حقیقت شرک' میں بھی بحث کی ہے۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں۔

انہوں نے بھی خدا کے ساتھ دوسروں کو جو شریک کیا تو اپنے ایک مزعومہ فلسفے کے تحت کیا لیکن پھر صورتیں اور مورتیں خدا بن گئیں اور خدا یا تو بالکل غائب ہوگیا یا اس طرح پس منظر میں چھپا دیا گیا کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوگیا۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ اگلی سورتوں میں آئے گی۔

'فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا'، کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے ارادے میں کوئی حائل یا مانع نہیں ہوسکتا۔ مثلاً لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، ممتحنہ (میں آپ کے لیے خدا سے مغفرت مانگوں گا، لیکن میں آپ کے معاملے میں خدا کے کسی فیصلے میں کوئی دخل نہیں رکھتا) یہ مسیح کو خدا بنانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار غضب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نادانو، یہ کس قسم کی باتیں کرتے ہو، کیا مسیح اور کیا ان کی ماں اور کیا یہ ساری مخلوق، خدا سب سے بے نیاز اور مستغنی ہے۔ سب کو وجود اسی نے بخشا ہے اور اگر وہ ان سب کو فنا کردینا چاہے تو کون ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی ملکیت ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اس میں اس کا شریک ہو۔ وہ جو چاہے، جس طرح چاہے اور جتنی مقدار میں چاہے پیدا کرتا ہے اور پیدا کرسکتا ہے۔ کسی کا بن باپ کے پیدا ہوجانا اس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ وہ خدا بن گیا یا خدائی میں شریک ہوگیا۔ خدا کسی کو چاہے تو بن باپ کے بھی پیدا کرسکتا ہے بلکہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کرسکتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۱۸)

'نحن ابنوا اللہ و احباءہ' اس ٹکڑے پر تفصیل کے ساتھ پچھلی سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔ درحقیقت اہل کتاب کا یہی زعم باطل تھا جس نے ان کو عہد الٰہی کی ذمہ داریوں سے سب سے زیادہ بے پروا بنایا۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ خدا کے محبوبوں اور برگزیدوں کی اولاد ہیں اس وجہ سے عمل و اطاعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہیں۔ جنت ان کا پیدائشی حق ہے۔ دوزخ میں اول تو وہ ڈالے نہیں جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو بس یوں ہی چند دنوں کے لیے۔ اس فتنے کے اصل بانی تو یہود ہوئے لیکن آخر نصاریٰ ان کو جنت کا واحد اجارہ دار کیوں بننے دیتے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے اس کو دونوں ہی کے مشترک عقیدے کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

'قُل فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم' یہ ان کے اس زعم باطل کی تردید خود ان کی اپنی تاریخ سے کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے محبوب اور چہیتے ہونے کے سبب سے تم خدا کے مواخذے اور عذاب سے بری ہو تو تمہاری یہ محبوبیت اور تمہارا یہ چہیتاپن اس دنیا میں تمہارے کچھ کام کیوں نہ آیا؟ یہاں تو تمہاری پوری تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ جب جب تم نے خدا سے سرکشی کی ہے اس نے تمہیں نہایت عبرت انگیز سزائیں بھی دی ہیں۔ ایسی عبرت انگیز کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں ایسی سزاؤں کی مثال نہیں مل سکتی۔ پوری قوم کی غلامی، پوری قوم کی صحرا گردی، پوری قوم کی جلا وطنی، متعدد بار پوری قوم کا قتل عام اور بیت المقدس کی عبرت انگیز تباہی، یہ سارے واقعات خود تورات میں موجود ہیں۔ اگر ابراہیمؑ و اسحٰقؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمہیں خدا کی طرف سے کوئی برأت نامہ حاصل ہے تو اس برأت نامے نے تمہیں ان عذابوں سے کیوں نہ بچایا؟

'بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ' یہ اصل حقیقت کا اظہار ہے کہ ابناء اللہ اور احباء اللہ ہونے کے خبط سے نکلو، جس طرح خدا کی ساری مخلوق ہے اسی طرح تم بھی اس کی مخلوق ہو اور جس طرح سب کو خدا سے نسبت ایمان و عمل صالح کے توسط سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح تمہیں بھی خدا سے کوئی نسبت حاصل ہوگی تو ایمان و عمل صالح ہی کے واسطے سے حاصل ہوگی۔

'يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ' یعنی مغفرت اور عذاب خدا ہی کے اختیار میں ہے وہ جن کو مغفرت کا مستحق پائے گا ان کی مغفرت فرمائے گا، اور جن کو سزا کا مستحق پائے گا ان کو سزا دے گا۔ اگر کسی نے بزرگوں سے خاندانی نسبت یا ان کی موہوم شفاعتوں پر بھروسہ کر کے خدا کے عہد ہی کو توڑ دیا ہے تو اس کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں بن سکے گا۔

'وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ الآیہ' یہ اوپر والے مضمون کی تاکید ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی ملک ہے۔ اور سب کو خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ نہ اس کائنات میں کسی کی حصہ داری ہے اور نہ خدا کے سوا کسی اور کے ہاں پیشی ہونی ہے کہ اس سے کوئی امید باندھی جائے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ
فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ
فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۱۹)

'فترہ' اس وقفہ کو کہتے ہیں جو ایک چیز کے ظہور کے بعد اس کے دوسرے ظہور سے پہلے واقع

ہوتا ہے۔ مثلاً باری کے بخار کے دو حملوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا اس کو 'فترہ' کہیں گے۔ آیت میں اس سے مراد وہ وقفہ ہے جو دو نبیوں کی بعثت کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ اپنی کتاب کی جن چیزوں کو تم نے چھپایا یا ضائع کر دیا ان سب کو واضح اور خدا کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہوا ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے۔ اب تمہارے پاس اپنی گمراہی پر جمے رہنے کے لیے یہ عذر بھی باقی نہیں رہا کہ پچھلے رسولوں کی بعثت پر ایک زمانہ گزر چکا تھا اور تم ایک نذیر و بشیر کے محتاج تھے۔ تمہارے اس عذر کو بھی ختم کرنے کے لیے ہم نے نذیر و بشیر بھیج دیا۔ اب اس اتمام حجت کے بعد بھی تم نے اپنی روش نہ بدلی تو خدا کو بے بس ہستی نہ سمجھنا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اہل کتاب کا یہ عذر کوئی قابل لحاظ عذر نہیں تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی لحاظ فرمایا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر آخری درجے میں حجت تمام کر دی گئی

۸- آگے کا مضمون - آیات ۲۰-۲۶

اب آگے یہود کی ابتدائی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی یاد دہانی فرمائی ہے جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت روشنی میں آتی ہے کہ یہ قوم ابتدا ہی سے خدا کے عہد اور اس کے حقوق و فرائض کے معاملے میں نہایت بودی اور نکمی رہی ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا نے ابتدا ہی سے اس کی بدعہدیوں اور نالائقیوں پر اس کو سزا بھی ہمیشہ نہایت عبرت انگیز دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب تک یہ یہی خواب دیکھے جا رہی ہے کہ یہ خدا کی محبوب اور لاڈلی ہے اس وجہ سے آخرت کے عذاب سے محفوظ ہے۔

اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے:-

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ
أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ ۲۰ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ ۲۱
قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا
مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝ ۲۲ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ

الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا
دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ
اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ۲۴ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ
اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۵ قَالَ فَاِنَّهَا
مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ
عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۶

اور یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے ہم قومو! اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی اٹھائے اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ بخشا جو دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں بخشا، اے میرے ہم قومو! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیٹھ پیچھے نہ پھرو ورنہ نامرادوں میں سے ہو کر رہ جاؤ گے۔ وہ بولے کہ اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں، ہم اس میں نہیں داخل ہونے کے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہوں گے۔ دو شخصوں نے، جو تھے تو انہی ڈرنے والوں ہی میں سے، پر خدا کا ان پر فضل تھا، للکارا کہ تم ان پر چڑھائی کرکے شہر کے پھاٹک میں گھس جاؤ۔ جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تمہی غالب رہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو، اگر تم مومن ہو۔ وہ بولے کہ اے موسیٰ، ہم اس میں ہرگز نہیں داخل ہونے کے جب تک وہ اس میں موجود ہیں تو تم اور تمہارا خداوند جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ۲۰-۲۴

موسیٰ نے دعا کی اے میرے پروردگار، میرا اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کچھ زور نہیں چلتا تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان علیحدگی کر دے۔ فرمایا، تو یہ سرزمین ان پر چالیس سال کے لیے حرام ٹھہری، یہ لوگ زمین میں بھٹکتے پھریں گے پس تو ان نافرمان لوگوں کا غم نہ کھا۔ ۲۵-۲۶

۹- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ
لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ (۲۰-۲۱)

'اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واتکم مالم یؤت احدا من العالمین' سورہ نساء کی آیت ۵۴ کے تحت ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جو مستقبل سے متعلق ہوتے ہیں، بعض اوقات ماضی کے صیغے سے تعبیر کیے جاتے ہیں ــــ یہ وعدوں کی قطعیت کے اظہار کا ایک بلیغ اسلوب ہے جو قرآن میں بہت استعمال ہوا ہے۔ گویا یہ وعدے محض وعدے نہیں ہیں بلکہ واقعات ہیں جو واقع ہو چکے۔ حضرت موسیٰ سے پہلے اگرچہ بنی اسرائیل میں بعض انبیاء مبعوث ہو چکے تھے لیکن نبوت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کے بعد شروع ہوا جو حضرت مسیحؑ کی بعثت تک جاری رہا اور بادشاہوں کے سلسلے کا تعلق تو تمام تر حضرت موسیٰ کے بعد ہی کے دور سے ہے۔ اس سے پہلے خاندان کے بزرگوں کو ایک قسم کی سیادت اور پدر سری (PATRIARCHY) تو حاصل رہی لیکن اس کو بادشاہی نہیں کہہ سکتے۔ تورات میں بھی اس کو بادشاہی سے نہیں تعبیر کیا گیا ہے۔

یہاں اسلوب کا ایک اور فرق بھی قابل لحاظ ہے۔ سلسلۂ نبوت کی تعبیر کے لیے تو فرمایا 'جعل فیکم انبیاء' (تم میں انبیاء بنائے) لیکن سلسلۂ بادشاہی کی تعبیر کے لیے 'وجعلکم ملوکا' (اور تم کو بادشاہ بنایا) کی تعبیر اختیار فرمائی۔ ان دونوں اسلوبوں کے فرق سے یہ بات نکلتی ہے کہ نبوت ایک مرتبہ اختصاص ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس منصب پر فائز فرماتا ہے، دوسرے اس میں شریک نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس بادشاہی ایک منصب اجتماعی ہے جس میں بادشاہ کے ساتھ اس کی پوری قوم حقیقۃً دائر ہوتی ہے۔ اگر کسی بادشاہی میں قوم شریک نہ ہو تو وہ استبداد اور مطلق العنانی ہے۔

'واتکم مالم یؤت احدا من العالمین' سے مراد وہ منصب امامت و شہادت حق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مامور فرمایا تھا اور جو امت مسلمہ کے ظہور میں آنے سے پہلے ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔

'الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم' ارض مقدس سے مراد کنعان اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ اس کو مقدس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام نے اللہ کے دین کی دعوت کا آغاز کیا۔ یہ علاقہ اگرچہ

بعد میں کافروں اور بت پرستوں کے قبضے میں آگیا تھا لیکن توحید اور خدا پرستی کی اذان چونکہ سب سے پہلے اسی علاقے میں گونجی تھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ارض مقدس سے تعبیر فرمایا۔ مصر سے نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی علاقے کو بنی اسرائیل کی میراث قرار دیا۔ اور تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر ان سے وعدہ کیا کہ میں نے یہ علاقہ تم کو دیا۔ ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۴

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا حوالہ ہے جو انہوں نے دشت فاران میں اس موقع پر فرمائی تھی جب بنی اسرائیل کو فلسطین پر حملے کے لیے ابھارا ہے۔ تورات کی کتاب گنتی باب ۱۲-۱۴ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد تمام منازل سفر طے کرتے ہوتے جب حضرت موسیٰؑ دشت فاران میں پہنچے اور فلسطین کا علاقہ قریب آیا تو چونکہ یہی علاقہ منزل مقصود تھا اس وجہ سے آپ نے ۱۲ سرداروں کی ایک پارٹی علاقے کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجی۔ یہ پارٹی اپنی مہم سے فارغ ہو کر جب واپس آئی تو اس نے علاقے کی زرخیزی و شادابی سے متعلق تو نہایت شوق انگیز رپورٹ دی لیکن ملک پر قابض باشندوں کے قد و قامت اور ان کی زور آوری سے متعلق اس نے جو بیان دیا وہ بنی اسرائیل کے لیے نہایت ہمت شکن ثابت ہوا، چنانچہ یہ بیان سنتے ہی انہوں نے واویلا شروع کر دیا اور جس ملک پر قبضہ کرنے کی امنگیں لیے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اس پر قبضہ کرنے کا حوصلہ تو درکنار، پھر مصر پلٹ جانے کی باتیں کرنے لگے اور یہ بات انہیں یاد بھی نہیں رہی کہ خدا نے ان کو اس ملک کی میراث دینے کا قسم کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ تفتیشی مہم کے ارکان میں سے دو شخصوں نے، جن کے نام تورات میں یوشع اور کالب بتائے گئے ہیں، ان کی ہمت بندھانے کی بڑی کوشش کی اور اللہ کے وعدوں اور عزم و ہمت کے ثمرات و برکات کا بہتیرا حوالہ دیا لیکن بنی اسرائیل فلسطین پر حملہ کرنے کی ہمت و حوصلہ کرنے کی بجائے ان دونوں حوصلہ مندوں کو سنگسار کر دینے کے درپے ہو گئے۔

یہی موقع ہے جب حضرت موسیٰؑ نے یہ تقریر فرمائی ہے۔ قرآن نے اگرچہ تقریر کا صرف حوالہ دیا ہے اس لیے کہ مقصود بالاجمال واقعہ کی طرف صرف اشارہ کر دینا تھا، تاہم وہ سارے پہلو اس میں موجود ہیں جو اس موقع پر حوصلے کو بحال کرنے اور پست حوصلگی کے انجام بد سے آگاہ کرنے کے لیے ضروری تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے ان افضال و عنایات کا حوالہ دیا جو مصر سے خروج کے وقت سے لے کر اب تک برابر سایہ کی طرح بنی اسرائیل کے ساتھ رہے، ان قطعی اور حتمی وعدوں کا حوالہ دیا جو سلسلۂ نبوت کے اجراء، اور بنی اسرائیل کو ایک عظیم حکمران قوم بنانے کیلئے

اللہ تعالیٰ نے فرمائے۔ اس میراث کا حوالہ دیا جو ایک شاداب و زرخیز علاقہ کی شکل میں ان کو ملنے والی تھی اور جس کو اللہ نے ان کے لیے لکھ دیا تھا۔ ان تمام وعدوں اور یقین دہانیوں کے ساتھ ان کو ارض مقدس پر حملہ کی دعوت دی اور ساتھ ہی بزدلی اور پست حوصلگی کے انجام بد سے بھی آگاہ کر دیا کہ اگر قدم پیچھے ہٹایا تو بالکل ہی نامراد ہو کر رہ جاؤ گے۔ پیچھے مصر کی غلامی ہے اور آگے کے لیے ہمت نہ کی تو یہ صحرا گردی ہے جس میں مرکھپ کر فنا ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (۲۲)

'قوما جبارین' 'جبار' کے معنی قد آور، زور آور، تگڑے اور طاقتور کے ہیں۔ عربی میں 'جبار' کھجور کے ان درختوں کو بھی کہتے ہیں جو بہت اونچے ہوں۔ تورات میں ان کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:-

> وہ ملک جس کا حال دریافت کرنے کو ہم اس میں سے گزرے ایک ایسا ملک ہے جو اپنے باشندوں کو کھا جاتا ہے اور وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب قد آور ہیں اور وہاں ہم نے بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔
>
> گنتی ۱۳ : ۳۳

یہ اس رپورٹ کے الفاظ ہیں جو تفتیشی مہم کے ارکان نے فلسطین کے باشندوں سے متعلق دی اس میں بنی عناق کے لیے 'جبار' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لفظ اسی زمانے سے چلا آ رہا ہے جو بعینہٖ قرآن میں بھی استعمال ہوا۔ عربی اور عبرانی دونوں قریب المخرج زبانیں ہیں۔ اس وجہ سے دونوں میں بہت سے مادے اور الفاظ مشترک ہیں۔

یہ حضرت موسیٰؑ کی اس تقریر کا، جو اوپر مذکور ہوئی، بنی اسرائیل کی طرف سے جواب ہے کہ جب اس ملک پر ایسے جبار اور قد آور لوگ قابض ہیں تو ہم تو ان کی تلواروں کا لقمہ بننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ البتہ اگر وہ قدرت کے کسی ایسے معجزے کے ذریعے سے، جیسے معجزے تم اب تک دکھاتے رہے ہو، یہ اس علاقے سے نکل جائیں تو بے شک ہم اس علاقے پر قابض ہونے کے لیے تیار ہیں۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۳)

' رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیہما ' ' رجلان ' سے مراد، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یوشع اور کالب ہیں جو اس مہم کے ارکان میں شامل تھے جو فلسطین کے حالات کی تفتیش کے لیے بھیجی گئی تھی۔ ' الذین یخافون ' میں عام طور پر لوگوں نے ' یخافون ' کے مفعول کو محذوف مانا ہے یعنی ' یخافون اللہ '، وہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے۔ اگرچہ میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے لیکن دو وجہ سے اس تاویل پر میرا دل نہیں جمتا۔ ایک تو یہ کہ یہ موقع مفعول کے اظہار کا تھا نہ کہ اس کے حذف کا، اس لیے کہ یہاں التباس پیدا ہو سکتا ہے اور التباس کے مواقع میں اظہار مستحسن ہے نہ کہ حذف۔ دوسری یہ کہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت خدا سے ڈرنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی جن کے اندر یوشع اور کالب بھی تھے۔ اگر یہ بات ہے تو انعام الٰہی کی تخصیص انہی دو حضرات کے لیے کیوں ہوئی، پھر تو ' انعم اللہ علیہما ' کی جگہ ' انعم اللہ علیہم ' ہونا تھا۔ علاوہ ازیں تورات اور قرآن دونوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت بنی عناق کے خوف سے پوری قوم کا دل بیٹھ گیا تھا، صرف یہ دو اللہ کے بندے پوری قوم میں ایسے نکلے جو خوف زدہ نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے عہد پر استوار رہے۔

اس وجہ سے قرین صواب تاویل میرے نزدیک یہ ہے کہ ہرچند یوشع اور کالب تھے تو اسی قوم میں سے جس پر خوف اور بزدلی کی موت طاری تھی لیکن اللہ کا ان پر فضل و انعام تھا کہ وہ اس وبائے عام میں مرنے پر راضی نہیں ہوئے بلکہ ایمان اور عزم پر استوار رہنے کی انہوں نے توفیق پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب پوری قوم کی قوم اس طرح ہمت ہار بیٹھے جس طرح بنی اسرائیل ہار بیٹھے تو بہادر سے بہادر آدمی کے اعصاب بھی جواب دے جاتے ہیں۔ بڑا ہی باوفا اور صداقت شعار ہوتا ہے وہ مرد حق جو ایسے نازک موقع پر بھی اپنی وفاداری اور صداقت شعاری کو نباہ جائے۔ یوشع اور کالب کے کردار کا یہی پہلو ہے جس کے سبب سے عہد و میثاق کی اس سورہ میں قرآن نے ان کا ذکر کر کے ان کو زندۂ جاوید بنا دیا تاکہ جو لوگ خدا کی راہ پر چلنے کا ارادہ کریں وہ ان کے اس مثالی کردار سے یہ سبق لیں کہ جب سب سو جائیں تو جاگنے والے کس طرح جاگتے ہیں اور جب سب مر جاتے ہیں تو زندہ رہنے والے کس طرح زندہ رہتے ہیں۔ قرآن نے یہاں بزدلوں کے اندر کے بہادروں

اور مُردوں کے اندر کے زندوں کو اس لیے نمایاں کیا ہے کہ بہادروں کے اندر بہادر اور زندوں کے اندر زندہ تو بہت نظر آجائیں گے لیکن وہ زندگی بخش ہستیاں بہت کمیاب ہیں جو مُردوں کو زندگی بخشتی ہیں اگرچہ اسی راہ میں انہیں خود اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔

' ادخلوا علیہم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون ' یہ ان دونوں مردانِ حق کی تقریر ہے جو انہوں نے اپنی ہمت ہاری ہوئی قوم کا حوصلہ بحال کرنے کے لیے کی۔ انہوں نے للکارا کہ شہر کے پھاٹک سے ان پر چڑھائی کرو، جب تم یہ اقدام کر گزرو گے تو تمہی غالب رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ بندے جب اپنا فرض ادا کرنے کے لیے ان کے اپنے پاس جو قوت و طاقت موجود ہے اس کو میدان میں ڈال دیتے ہیں تب وہ اپنی مدد و نصرت سے ان کو نوازتا ہے، گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کے لیے اس کی آسمانی تائید نہیں اترا کرتی۔ تورات میں ان کی یہ تقریر ان الفاظ میں ہے۔

> اور نون کا بیٹا یشوع اور یفنّہ کا بیٹا کالب، جو اس ملک کا حال دریافت کرنے والوں میں سے تھے، اپنے اپنے کپڑے پھاڑ کر بنی اسرائیل کی ساری جماعت سے کہنے لگے کہ وہ ملک جس کا حال دریافت کرنے کو ہم اس میں سے گزرے نہایت اچھا ملک ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی رہے تو وہ ہم کو اس ملک میں پہنچائے گا اور وہی ملک جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے ہم کو دے گا فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ اس ملک کے لوگوں سے ڈرو، وہ تو ہماری خوراک ہیں، ان کی پناہ ان کے سر پر سے جاتی رہی ہے اور ہمارے ساتھ خداوند ہے، سو ان کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت بول اٹھی کہ ان کو سنگسار کرو۔ (گنتی باب ۱۴: ۶-۱۰)

' وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ' یعنی اگر خدا پر ایمان ہے تو خدا نے تو قسم کے ساتھ اس ملک کی میراث تم کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے، پھر خدا پر بھروسہ رکھو، اس کے حکم کی تعمیل کا عزم کرو، جب تم اپنا فرض ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہو گے تو وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (۲۴) یہ بنی اسرائیل کی طرف سے آخری جواب تھا۔ تورات میں یہ جواب ان لفظوں میں تو موجود نہیں ہے لیکن بنی اسرائیل کے

گریہ و ماتم کا ذکر ہے۔

تب ساری جماعت زور زور سے چیخنے لگی اور وہ لوگ اس رات روتے ہی رہے اور کل بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون کی شکایت کرنے لگے اور ساری جماعت ان سے کہنے لگی ہائے کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے! یا کاش اس بیابان ہی میں مرتے! خداوند کیوں ہم کو اس ملک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے؟ گنتی ۱۴: ۱-۳

ظاہر ہے کہ جن کی بزدلی اور دہشت زدگی کا یہ عالم ہو ان کے لیے حضرت موسیٰؑ اور یوشع و کالب کی یہ یقین دہانی کہ "خدا ہمارے ساتھ ہے، تم ان کا خوف نہ کرو" بالکل بے سود تھی۔ انہوں نے یقیناً اس یقین دہانی کے جواب میں یہی کہا ہوگا کہ اگر خداوند ساتھ ہے تو تم اور تمہارا خداوند جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (۲۵)

بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا جواب کے بعد ان سے کسی خیر کی آخری امید بھی ختم ہو گئی اس وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے نہایت غم اور صدمے کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کی کہ اے میرے رب! میرا اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی زور نہیں اس وجہ سے اب تو ہمارے اور اس بدعہد قوم کے درمیان علیحدگی کر دے۔ "علیحدگی کر دینے" کا منشا ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ اب ان کی قیادت و اصلاح کے بارِ عظیم سے ان کو سبکدوش کر دیا جائے۔ اتنی طویل جد و جہد، اور اتنے بے شمار خوارق و عجائب کے مشاہدے کے بعد بھی جن کی بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص بھی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے تو اب میں ان پتھروں میں کیا جونک لگا سکوں گا۔ اب تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی فرما دے۔

حضرت ہارونؑ چونکہ خود خدا کے مقرر کردہ وزیر تھے اور انہوں نے ہر مرحلے میں اپنی وفاداری کا شایانِ شان ثبوت دیا تھا اس وجہ سے ان پر اعتماد تو ایک امر بدیہی تھا لیکن باقی پوری قوم، اللہ کے ان دو بندوں کے سوا جن کا ذکر اوپر ہوا، بالکل مردہ نکلی۔ تاہم حضرت موسیٰ نے دعا میں قوم فاسقین سے علیحدگی کی درخواست کی تاکہ اس طرح کی بعض سعید روحیں جو اس میں موجود تھیں وہ اس سے مستثنیٰ رہیں۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (۲۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی علیحدگی کی درخواست تو منظور نہیں فرمائی، اس لیے کہ پیغمبر قوم کے لیے بمنزلۂ روح ہوتا ہے۔ قوم سے اس کی علیحدگی، اور وہ بھی اعلانِ براءت کے ساتھ، پوری قوم کے لیے پیغامِ ہلاکت ہوتی ہے لیکن بنی اسرائیل کی اس ناقدری اور بے یقینی کی سزا ان کو یہ دی کہ چالیس سال کے لیے سرزمینِ مقدس کو ان کے لیے حرام کر دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ مدت یہ اسی صحرا گردی میں گزاریں گے۔ تورات میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا: میں کب تک اس خبیث گروہ کی جو میری شکایت کرتی رہتی ہے برداشت کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے برخلاف شکایتیں کرتے رہتے ہیں میں نے وہ سب شکایتیں سنی ہیں، سو تم ان سے کہہ دو، خداوند کہتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم ہے کہ جیسے تم نے میرے سنتے کہا ہے میں تم سے ضرور ویسا ہی کروں گا۔ تمہاری لاشیں اسی بیابان میں پڑی رہیں گی اور تمہاری ساری تعداد میں سے یعنی بیس برس سے لے کر اس سے اوپر اوپر کی عمر کے تم سب جتنے گنے گئے اور مجھ پر شکایت کرتے رہے ان میں سے کوئی اس ملک میں جس کی بابت میں نے قسم کھائی تھی کہ تم کو وہاں بساؤں گا جانے نہ پائے گا۔ سوائے یفنہ کے بیٹے کالب اور نون کے بیٹے یشوع کے۔ اور تمہارے بال بچے جن کی بابت تم نے یہ کہا کہ وہ تو لوٹ کا مال ٹھہریں گے ان کو میں وہاں پہنچاؤں گا اور جس ملک کو تم نے حقیر جانا وہ اس کی حقیقت پہچانیں گے اور تمہارا یہ حال ہوگا کہ تمہاری لاشیں اسی بیابان میں پڑی رہیں گی۔ اور تمہارے لڑکے بالے چالیس برس تک بیابان میں پھرتے اور تمہاری زناکاریوں[1] کا پھل پاتے رہیں گے۔ گنتی باب ۱۴: ۲۷-۳۴

اس صحرا گردی کے دوران میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کی قیادت سے بھی محروم ہو گئے اور ان کی وہ پوری نسل بھی ختم ہو گئی جو قبطیوں کی غلامی کے زیر سایہ پرورش پائی تھی البتہ وہ نسل باقی رہی جو اسی صحرا کی فضا میں پلی اور جوان ہوئی۔ اسی نے بعد میں یوشع کی قیادت میں موعودہ سرزمین کو فتح کیا۔ اس سے ہمارے بعض علمائے اجتماعیات نے یہ نتیجہ نکالا ہے اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ آزادی و حکمرانی کی ذمہ داریوں کے لیے خود اعتمادی اور اولوالعزمی ضروری ہے۔ مصر کی غلامی نے یہ چیز بنی اسرائیل کے اندر سے ختم کر دی تھی۔ قدرت نے ان کو صحرا کی بھٹی میں تپا کر از سرِ نو ان کے

[1] یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ زناکاری کا لفظ تورات میں خدا کے ساتھ بدعہدی اور بے وفائی کیلئے بکثرت استعمال ہوا ہے

اندر اس جوہر کو پیدا کیا تب وہ اس قابل ہو سکے کہ کسی ملک کو فتح اور اس پر حکومت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ضابطے اور قاعدے بنائے ہیں اور یہ ضابطے اور قاعدے بالکل بے لاگ ہیں۔ قدرت نے اجتماعی ترقی کے لیے جو زینے ٹھہرا دئیے ہیں ان کو طے کئے بغیر کوئی قوم بام ترقی پر نہیں پہنچ سکتی اگرچہ وہ حضرت ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسل ہی سے کیوں نہ ہو۔ تاریخ بنی اسرائیل کے اس واقعے نے ان کے اس زعم کی پوری پوری تردید کر دی جس کا حوالہ اوپر گزرا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے محبوب اور چہیتے سمجھتے ہیں اس وجہ سے عمل و اطاعت کی ذمہ داریوں سے اپنے کو بری خیال کئے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ گمان کچھ حقیقت رکھتا ہے تو موسیٰ کی موجودگی میں تو تم اور بھی زیادہ چہیتے تھے، پھر اس وقت ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے ڈگ ڈال دیئے تھے تو خدا خود تمہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے جاتا اور فلسطین کا بادشاہ بنا دیتا۔ پھر خدا کی جنت کو تم یوں ہی مفت میں حاصل کرنے کے خبط میں کیوں مبتلا ہو!۔

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

- دعوت دین اور اس کا طریق کار
صفحات ۲۱۲، قیمت ۳/۷۵ روپے

- تزکیۂ نفس
صفحات ۳۴۴ ، قیمت ۶/۰ روپے

★

- اسلامی قانون کی تدوین
صفحات ۱۹۰، قیمت ۳ روپے
سستا ایڈیشن ، " ۲ روپے

- عائلی کمشن رپورٹ پر تبصرہ
صفحات: ۱۲۸
قیمت ۲/۲۵ روپے

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر لاہور (فون: ۲۹۵۲۲)

مقالات

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف کی اشاعت کے اسباب

(۴)

(۶) سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ، اپنی تصانیف نظم و نثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے، اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مولف ہیں، پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیہ میں سے ہیں، لیکن ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسمٰعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمٰعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وینافؔ (IVANOW) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے۔

"اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصۂ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی، اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔

طوطی ام شہ مرا بود مراعت — شکرم اندکان عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلۂ ما — خواجہ عبداللہ کہ زانصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو عطار، احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے جنھوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا، یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنا لیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء

میں شائع ہوا تھا، صفحہ ۷۹ پر لکھتا ہے کہ:

"اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انہوں نے باتِ تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔"

یعنی باطنیہ نے سُنّی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہلِ سُنّت کو دلدلِ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوف کا لباس پہن کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوءِ ادب سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد کو من و عن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ اُن (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

"بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفاتِ ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔"

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے، ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور (یوپی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بھی بڑھ کر ہیں، پڑھیئے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے۔

صفحہ ۲۴۱ پر لکھتا ہے کہ ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں۔ خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں۔ (مولانا کو بذریعہ کشف انکا یہ خیال معلوم ہو گیا)۔ رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذباتِ شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کرا خاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا پھر فرمایا "مردانِ خدا ہر شئے پہ قادر ہیں۔ ترک یا قلتِ مباشرت کا باعث استغراق ہے۔"

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے

تھام لیجئے مبادا شق ہو جائے!۔

"پھر فرمایا کہ آنحضرتؐ اور ان کی ایک زوجہ..... میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ سے کچھ کہا... چنانچہ بوقتِ شب آپؐ نے ان سے نوے ۹۰ بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا "ہم نے خود لذاتِ دنیا کو ترک کر دیا ہے۔ ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔"

صفحہ ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے "مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت صلعم نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرتؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت صلعم نے اُس نے کی آواز سُنی تو اُسے بلایا اور سُن کر فرمایا اس نے سے اُن اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے تھے۔"

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاجِ تنقید نہیں ہیں ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں صفحہ ۲۶۹ پر یہ روایت درج ہے:

"بعضِ ظاہر و باطنِ عارف "علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے" میں (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا رکھا تھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفعِ سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہلِ سُنّت

کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سُنّت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعدالدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سُنّت کے امام فی العقائد ابوحفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے عقائد النسفی۔ علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے "صحابہؓ کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہیئے" علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"بہر کیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علما نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ[1] میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسین کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہوگیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسین کو قتل کیا۔ یا اس کا حکم دیا۔ یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔"

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے۔ "حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسین پر رضامندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین ـــ یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔"

[1] اس سے غالباً کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے۔

میری رائے میں یہ فقرہ جو "حقیقت یہ ہے" سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا، علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ جلد سوم مطبوعہ ۱۳۵۶ھ صفحہ ۲۹۹ و صفحہ ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

(ا) یزید نے حسین کے سر کو دیکھ کر کہا (خدا کی قسم اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

(ب) کوئی عورت آلِ یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے اس واقعہ پر ماتم نہ کیا ہو۔

(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی ابن حسین اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی ابن حسین کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

(د) یزید نے کہا میں تو حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا۔ خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرز عمل اس قرابت کی بناء پر کرتا جو اسے رسول اللہؐ سے حاصل تھی۔

(ہ) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

(و) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کر دے۔

(ز) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا۔ اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر۔ قسم خدا کی اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو جو وہ طلب کرتا اُسے دیتا اور اُس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آجاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

(ح) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا اس شخص نے (جو قافلے کا نگران تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے"؟ زینب نے کہا۔ "ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے سوارین اور ملجین اتارے اور اس کے پاس بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا

کہ میں نے یہ حسنِ سلوک رسول اللہؐ سے تمہاری قرابت کی بنا پر کیا ہے۔"

میں نے اقتباس ابن اثیر کے عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات و وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؒ نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا قتل کی اطلاع پر چراغاں یا تھا یا جشن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی ہی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی اس لئے انھوں نے تاریخ طبری مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوگی اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

ا۔ یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے

ب۔ یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی دسیسہ قرار دیا جائے

اس کے علاوہ، اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔ شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسین کے نام کے آگے رضؓ لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا دستور ہے مگر اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر ؑ بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے رضؓ بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں ؑ کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسین کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آشفتہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد دسیسہ ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہٖ موجود ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں:۔

سیرۃ النبی کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینے میں ۸۵ھ میں

پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا تھا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسول اللہؐ کو ابن ہشام نے ایڈیٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آجکل سیرۃ ابن ہشام کے نام سے معروف ہے۔ ابن اسحٰق غزوہ خیبر کے سلسلے میں لکھتا ہے:۔

"عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مرحب یہودی مسلح ہو کر قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا "خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں الخ"۔ رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے جواب میں کعب ابن مالک نے یہ رجز پڑھا "خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں الخ"

رجز خوانی کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا؟ محمد ابن مسلمہؓ نے جواب دیا "مرحب کا مقابلہ میں کروں گا کیونکہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائی کو قتل کیا تھا" یہ سن کر آنحضرت صلعم نے انہیں مرحب کے مقابلے میں جانے کی اجازت دی اور ان کی فتحیابی کے لئے دعا کی۔ جب مرحب اور ابن مسلمہؓ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک درخت درمیان حائل ہو گیا۔ انھوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہ نے ڈھال پر روکا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوت مبارزت دی تو حضرت زبیر بن العوامؓ مقابلے پر نکلے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے آنحضرت سے پوچھا "کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟" آپ نے جواب دیا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا انشاءاللہ اپنے دشمن کو قتل کرے گا۔ "حضرت زبیرؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔ "خیبر جانتا ہے کہ میں زبار ہوں اور ان لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرار ہیں الخ" چنانچہ زبیر نے یاسر کو قتل کر دیا۔

بُریدہ بن سفیان بن فروہ نے مجھ سے (ابن اسحٰق) کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکرؓ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔ دوسرے دن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے

لہ تفصیل کے لئے دیکھو مقدمہ انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳ تا ص ۳۹

ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا۔ وہ بھاگنے والا نہیں ہے" چنانچہ دوسرے دن آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہو گئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا: "اسے لیکر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے" چنانچہ حضرت علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰؑ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہو گے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔"

(۷) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابو رافع (آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اس لئے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھایا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہو گئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازے (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے۔" (مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرت ابن اسحٰق موسومہ سیرۃ رسول اللہؐ صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اولین تصنیف ہے۔ اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ محض اس لئے کہ حضرت ابان داماد رسولؐ۔ خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی سبیل اللہ کے بیٹے تھے۔ (اللہ اکبر! کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہرحال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں۔

۱۔ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

۲۔ حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳۔ عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا نا صول روایت

کے اعتبار سے قابل اعتماد ہے اور نہ اصول روایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصول روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہئے نہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

(۴) مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا۔ ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا اس افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط تعلیمات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔ لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لئے میں البدایہ والنہایہ مولفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

۱۔ "حافظ البزار نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے"

۲۔ روایت کی موسیٰ ابن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے اور یہی کہا ہے محمد ابن اسحٰق نے بروایت جابر ابن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا "قد علمت خیبر انی مرحب" تو آنحضرتؐ نے کہا "اس کا مقابلہ کون کرے گا؟" محمد ابن مسلمہؓ نے کہا "میں کروں گا۔ فضربہ محمد بن مسلمۃ حتیٰ قتلہ۔ پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو یعنی مرحب کو) صفحہ ۱۸۹ ج ۴

۳- کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہؐ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ نے اپنا جھنڈا دے کر جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہوگیا۔۔۔ میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا مگر ہم سے وہ نہ پلٹا جا سکا۔ ۸

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے۔ "وَفِي هٰذَا الْخَبَرِ جِهَالَةٌ وَانْقِطَاعٌ ظَاهِرٌ" یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے) پھر لکھتے ہیں:-

۴- حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتبار) ہے۔

۵- جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے (صفحہ ۱۹۰ ج ۴)

۶- "الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔" صفحہ ۱۸۹ ج ۴

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد چہارم صفحات ۱۸۶ تا ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء۔

بخوف طوالت ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں، خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روائتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے۔ سراسر لغو ہیں (سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۴۸۹)

ف۸ ملاحظہ ہو کہ ستر مشرک اس دروازہ پر جاطین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہوگیا۔ واضح ہو کہ سات، چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تذکرۂ سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ اس لئے نفی چند مقاموں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مورخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقید۔ یہ سب باتیں سوء ادب میں داخل ہو گئی تھیں جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ہم بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے، اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہوگی، فہو مردود" خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سُنی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبیح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ شلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو، اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور محبوبیت سے دستبردار ہو جائے۔

گمراہی کے دروازوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انھوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہوگیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہر کیف انھوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن و حدیث کے الفاظ کے بھی دو، دو معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے جہلا صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں، حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں جو شخص ظواہر ہی پر زور دیتا ہے، وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے۔ جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے۔ وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ عوام دبے ہوئے تھے۔ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی

کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے (۱۵۱،۰۰)

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کو اختیار کیا پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے باطنیہ کے اس عقیدہ کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قیدِ شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین حاصل نہ ہو جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباعِ شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اس وقت تک تھا نہ اب ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا، تصوف کے "اسرار و رموز" بیان کر رہا ہے۔ باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دیکر مجلس سے باہر نکال دیا، قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لئے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے "بزرگوں" کے خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرارِ طریقت سمجھتے ہیں، یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت محمدی کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

اقتباس از ولایت نامہ تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنابادی، سلطان علی شاہ، چاپ دوم، چاپخانہ دانشگاہِ تہران ۱۳۸۵ قمری ص ۳۵

"قبولِ رسالت بیعت کردن است بہ قبولِ احکامِ ظاہری، و قبولِ ولایت، بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ باطنی، اول را اسلام و ثانی را ایمان گویند و چوں قبولِ رسالت بجہتِ وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ

(۴۹-۱۷) و فرمود اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ " (۵-۶۷) یعنی رسالت تو مقدمہ ولایتِ علی علیہ السلام است اگر تبلیغ ولایت نکردی و بیعت بولایت نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نکردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش با عدم مساوی است و بلحاظ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شدہ کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَمَا خَلَقْتُكَ (انتہی بلفظہ)

میں نے یہ زحمتِ نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہیں لکھیں ہوں گی۔ مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہو گئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ لیکن اُن لوگوں کی خاطر جو عربی اور فارسی نہیں جانتے اس کا مطلب ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

۱- مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ یعنی بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے (۴۹-۱۷)

۲- قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳- قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام باطنی کے قبول کرنے پر۔

یعنی رسالت کا تعلق احکام ظاہر سے ہے اور ولایت کا تعلق احکام باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکام ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہو گئی اور امت میں تفرقہ رونما ہو گیا۔

۴- رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے، ولایتِ علی کو قبول کرنا ایمان ہے

۵- اے رسول اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اُس (اللہ) کا۔ (۵-۶۷) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! تیری رسالت، مقدمہ ہے ولایت علی کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی۔ کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶- رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو یارائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید صرف دو باتوں پر اکتفا کرتا ہے۔

(ا) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہوتی ہے۔ کیوں کہ ایمان، بہرحال افضل ہے اسلام سے۔

(ب) جب تک ایک شخص ولایتِ علی پر ایمان نہ لائے، مومن نہیں ہو سکتا۔

(ج) رسالت محمدی کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ وہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے، ولایتِ علی کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

(د) رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصولِ مقصد کا۔ اور وہ مقصد ہے "گرفتنِ بیعت ولایتِ علی" اور یہ بات محتاجِ ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد، واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے اس لئے ولایت افضل ہے، رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے بالفاظِ واضح تر حضرت علیؓ افضل ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

(ھ) قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیان عالم پر غالب کر دے۔ کما قال اللہ عز و جل هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اللہ وہی ہے، جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ اس کو غالب کر دے۔ سب دینوں پر

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ کا ترجمہ تو یہ ہوگا، کہ اے رسول! پہنچا دے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے۔ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے، اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ پہنچایا پیغام اس کا۔ اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؓ کا اسم گرامی آیا ہے۔ اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے[1] نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے

[1] اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ ابن سبا اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (۱۔ ابولہب ۲۔ زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ کو یار غارؓ کے نام پر ترجیح دی یعنی چھ الفاظ استعمال کئے مگر ایک لفظ ابو بکرؓ نہ فرمایا۔ لیکن یہ چھ الفاظ ہیں ایسے کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابو بکرؓ ہی مراد ہیں۔ ثانی کی تاثیر دیکھئے صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:۔

ہمت او کشت ملت را چو ابر ! ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر !

اور نہ انکے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس ایں صورت ان آیتوں سے حضرت علی کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتنِ ولایتِ علیؓ کیسے ہو سکتا ہے؟ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ کا مصداق تو قرآن ہے کیونکہ وہی آنحضرتؐ پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن (لوگوں) کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہر معنی ہیں۔ لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کئے ہیں جو صرف "اہل اسرار" پر منکشف ہوتے ہیں صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنی نکالنے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف، نحو، معانی، بیان، عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے امت محمدی پر، جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے۔

می کنی تاویل حرف بکر را ‏ ‏ ‏ خویش را تاویل کن نے ذکر را

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی "برہان الواصلین" نے بیان کئے ہیں۔ وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے ‏ ‏ ‏ کہ پیغام خدا گفتند ما را !

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت ‏ ‏ ‏ خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را !

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں اس کی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الابحار نے لکھا ہے۔

"تصوف طریقہ مرتضوی است و تصوف و تشیع یک معنی دارد۔"

(ماخوذ از اصول تصوف مولفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری صتہ)

یہی مولف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:۔

"ولایت از آنِ خدا است در آں این آیت شاہد است ھُنَالِکَ الْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ ط (۴۰-۴۴) از خدا بمصطفےٰ و در ایں حقیقت جامعیت است۔ علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر یک پایہ و دارائے یک مایہ اند چنانچہ رسول فرمود:- (ا) اوّلُ ما خلق اللّٰہُ نوری (ب) انا و علی من نورٍ واحدٍ، شاعرے ایں حدیث راچنیں نظم کردہ است) اصولِ تصوف مولفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری ص ۲۹۹)

علی و مصطفےٰ ہیچ دو دیدہ !　　یک نورِ جلیل اند آفریدہ !

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سکیوں میں پائے جاتے ہیں، سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سُنّی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ خواص بھی حضرت علی رضؓ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں بلکہ بوقت حاجت رسولؐ کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگان سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرتؐ نے "ناد علی" کو پکارا تھا۔

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر زکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا۔

والواقع انّ الصلۃ بین التشیع والتصوف نعلیؓ ھو معبود الشیعۃ و امام الصوفیہ (التصوف الاسلامی مولفہ ڈاکٹر زکی مبارک جلد دوم ص ۲۳۲)

(جاری)

لہ مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلَایَۃ اور وَلَایَۃ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے "ولایت از آنِ خدا است"۔

اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہے۔ دلائل یہ ہیں:-

(۱) آیت میں لفظ وَلَایَۃ ہے نہ کہ وِلَایَۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَایَۃ (واوٴ پر زبر کے ساتھ) کا معنیٰ ہے۔ نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلَایَۃ (واوٴ کے نیچے زیر) کا معنیٰ ہے۔ حکومت یا اقتدار یا ملک۔ (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ولایت مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علی سے ولایت کو منسوب کرکے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے۔ اس لئے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اللہ نے دو جگہ لفظ وَلَایَۃ تو استعمال کیا ہے (دیکھو ۸-۷۲ مَا لَکُمْ مِنْ وَّلَایَتِهِمْ مِنْ شَیْءٍ - الخ) مگر لفظ وِلَایَۃ کہیں استعمال نہیں۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے۔ بار (۳) ہر مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی تھی جس پاس تکبر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا اس نے کہا یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِکْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ھُنَالِکَ الْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ یعنی حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی، کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے۔ لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کے لئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا۔ پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ قرامطہ کے لٹریچر سے باآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو قواعد آل محمد باطنیہ (تالیف محمد بن حسن الاعلمی یمانی۔ زمانہ تصنیف ۱۲۰۰ھ ص ۱۷، ۱۸)۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے براءۃ۔ زنا سے مراد ہے۔ علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا۔ نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔ تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا۔ حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔"

(منقول از تاریخ دعوت و عزیمت مولفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۱۰۹)

روزنامہ وفاق
ایڈیٹر: مصطفےٰ صادق

اُن گھرانوں کا پسندیدہ اخبار ہے جو اپنے افراد خاندان کو مطالعہ کا شائستہ مواد مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی "وفاق" کا مطالعہ فرمائیے۔ قیمت فی پرچہ ۱۲ پیسے۔ سالانہ چندہ ۳۵ روپے۔ "وفاق" لاہور، سرگودہا اور رحیم یار خاں سے شائع ہوتا ہے۔
جنرل منیجر روزنامہ وفاق ۱۱۱-۱ [illegible] میکلوڈ روڈ لاہور

تاریخ اسلامی کے دورِ فتن

کے بارے میں

صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے

مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے

۱۔ وفات سرورِ کائناتؐ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۶/۳۰ روپیہ
۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ	سلام اللہ صدیقی جونپوری	۶/۰۰ ۱ "
۳۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ	" " " "	۶/۳۰ ۱ "
۴۔ حضرت عمرو بن العاصؓ	" " " "	۲/۹۰ "
۵۔ تاجدارِ مدینہ کی شہزادیاں	" " " "	۱/۱۵ "
۶۔ اہلبیت اور اہلسنت	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱/۱۵ "
۷۔ اسلامی حکومت کے نقش و نگار	مولانا ظفیر الدین مفتاحی	۲/۰۰ "
۸۔ تحفۂ کربلا	محمد احمد الہ آبادی	۳/۰۰ "
۹۔ سکینہ بنت حسینؓ	از طیب بیگم صاحبہ	۰/۷۰ "
۱۰۔ مولانا مودودی اور سیدنا عثمان غنیؓ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۲/۳۰ "

۱۱۔ حقیقتِ خلافت و ملوکیت ؎

تالیف: علامہ سید محمود احمد عباسی

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تالیف "خلافت و ملوکیت" کا مسکت جواب

مستند تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ؛ صفحات: ۵۶۸ ؛ مجلد ۔ قیمت: قسم اول سفید کاغذ مع ڈسٹ کور ۱۱/۰۰ روپے

قسم دوم نیوز پرنٹ: ۶/۷۵ روپے

دار الاشاعت الاسلامیہ فون نمبر ۶۹۵۲۲

امرت روڈ ۔ کرشن نگر ۔ لاہور

؎ اس کتاب پر ادارہ میثاق کی جانب سے تبصرہ آئندہ شمارہ میں دیکھئے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

تقریظ و تنقید

کتاب الرسالہ یعنی اصول فقہ و حدیث

مصنفہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ۔ ترجمہ از مولانا مفتی محمد امجد علی صاحب سابق استاذ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم ریاست رام پور۔ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ، کراچی۔ سائز ۲۰×۲۶/۸، ۳۵۲ صفحات، کاغذ سفید، کتابت و طباعت بہتر، مجلد، قیمت دس روپے۔

امام شافعیؒ کی یہ کتاب اصول فقہ و اصول حدیث کے فن پر سب سے پہلی تصنیف ہے جس کو امام صاحب نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی استدعا پر تصنیف فرمایا تھا کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کے اصول پر مشتمل یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی اور اصول فقہ و اصول حدیث میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور امام موصوف کے بعد تمام فقہا اور علما کی تصانیف فن اصول فقہ میں اسی کی رہین منت تھیں۔ اس لیے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب سربراہ ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی نے اس کا ترجمہ اپنے ادارے کے شعبۂ تالیف و تراجم کے محقق مولانا امجد العلی صاحب کے سپرد فرمایا۔ جنہوں نے اس کام کو بڑی قابلیت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا نے قابلِ شرح مقامات پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں تاکہ امام صاحب کا نقطہ نظر واضح ہو سکے۔

امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الامام الشافعی میں لکھا ہے کہ امام شافعی کی حیثیت اصولِ فقہ میں ایسی ہی ہے جیسی منطق میں ارسطو کی۔ اس اعتبار سے امام صاحب ائمۂ ثلاثہ سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ لاریب اس ترجمے سے اردو زبان کے دینی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ ایم اے

اسلامیات کے طلباء کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ (م۔ ی۔ خ)

معارف الحدیث

جلد چہارم یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ۔ مؤلفہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر مجلۂ الفرقان ۲۰×۲۶/۸، ۲۹۶ صفحات مجلد مع گرد پوش۔ قیمت چھ روپے پچاس پیسے۔ ملنے کا پتہ منیجر کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ (بھارت)، کاغذ سفید کتابت اور طباعت معیاری احادیث کے عربی متن پر اعراب بھی لگے ہوئے ہیں۔

راقم الحروف کو مولانا کی قسمت پر رشک آتا ہے کہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آج تک ان کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت میں بسر ہوا ہے۔ انہوں نے عاجز کے وطن بریلی میں اپنی دینی خدمات کا آغاز کیا اور شرک و بدعت کے اس مشہور مرکز میں بیٹھ کر ان دونوں برائیوں کے خلاف قلمی اور لسانی جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اللہ نے اس میدان میں انہیں فتح مبین عطا فرمائی۔ اس کے بعد مشیت ایزدی نے لکھنؤ کو ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور بحمد اللہ مولانا آج تک وہیں اسلام کی ضیا پاشی میں مشغول ہیں۔

اس عاجز کو اس بات میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ جس طرح حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی نے وفات سے پہلے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے خوشنودی کا پروانہ حاصل کر لیا اسی طرح مولانا موصوف کو بھی اس دربار دُربار سے نوازا جائے گا۔

راقم الحروف اس سے پہلے معارف الحدیث کے تینوں حصے پڑھ چکا ہے اور اب چوتھے حصے سے استفادہ کر رہا ہے اور اپنے محب گرامی منزلت کی ترقی درجات کے لیے دست بدعا ہے۔

الحمد للہ کہ سیلاب مغرب کی تباہ کاریوں اور کفر کی دل فریبیوں کے مقابلے میں اللہ کے مقبول بندے قرآن و حدیث کے حقائق و معارف کو دنیا والوں کے سامنے پیش کرنے میں مصروف ہیں اور سعادت افروزی کا سرمایہ اپنے لیے جمع کر رہے ہیں۔

یہ چوتھا حصہ کتاب الزکوٰۃ سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد روزے اور حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ پانچویں جلد میں جو عنقریب شائع ہوگی (انشاء اللہ) اذکار اور دعوات کی احادیث صحیحہ مع ترجمہ و تشریح مومنوں کی تنویر قلب کا موجب ہوگی۔ حصول برکت کے لیے اس تبصرے کو امیر المومنین الناطق بالصدق والصواب سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اسی ایمان افروز دعا پر ختم کرتا ہوں جس طرح امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کا خاتمہ

اسی دعا پر کیا ہے:-

قال سیدنا عمر الفاروقؓ: "اللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِی فِی بَلَدِ رَسُوْلِکَ"

اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی عطا کر اور اپنے محبوب اور ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر میں دفن ہونا بھی نصیب فرما۔ "راقم الحروف کی آرزو بھی یہی ہے"

(یوسف سلیم چشتی)

جنید بغداد

مصنف ڈاکٹر علی حسن عبد القادر۔ مترجم محمد کاظم۔ شائع کردہ مکتبہ جدید، انارکلی، لاہور۔ ۲۰×۳۰/۱۶، ۲۶۶ صفحات نیوز پرنٹ۔ کتابت اور طباعت بہتر، قیمت :- ۵ روپے۔

حضرت جنیدؒ جن کا لقب 'سید الطائفہ' ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے عمل اور اپنی تعلیمات سے شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کا یہ مقولہ آج بھی مقبول اور مسلّم ہے کہ "ہمارا طریقہ کتاب اور سنت کے تابع ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ جیسے راسخ العقیدہ اور پابند شرع بزرگ بھی ان کے علمی اور روحانی مرتبے کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرتے ہیں۔

یہ کتاب جیسی بلند پایہ ہے اس کا ترجمہ بھی ویسا ہی قابل تعریف ہے۔ مکتبہ جدید نے یہ کتاب شائع کر کے بلاشبہ علم و ادب کی بڑی نمایاں خدمت انجام دی ہے۔

وقائع دل پذیر بادشاہ بیگم اودھ

سائز ۲۰×۳۰/۱۶، ۲۴۲ صفحات مصنف عبدالاحد [illegible] متوفی ۱۸۵۱ء مترجم بزبان انگریزی تقی احمد صاحب ایم اے مترجم بزبان اردو سراج احمد صاحب چشتی عثمانی مقدمہ از ماہر تاریخ اسلام مولانا محمود احمد صاحب عباسی متعنا اللہ بطول حیاتہ۔ شائع کردہ مکتبہ محمود [illegible] بی ایریا لیاقت آباد کراچی۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے۔ لاہور میں ملنے کا پتہ، مکتبہ علم و حکمت، اسوتر منڈی لاہور۔

محمد تقی احمد صاحب ایم اے نے مہاراجہ رام پور (اودھ) کی لائبریری میں بادشاہ بیگم کے سوانح حیات پر ایک فارسی مخطوطہ دیکھا جس کا ترجمہ انہوں نے انگریزی میں کیا۔ اس ترجمے کا اردو ترجمہ سراج احمد صاحب نے کیا۔ اس پر محترمی محمود احمد صاحب عباسی مدظلہ نے ایک نہایت قابل

قدر تحقیقی مقدمہ لکھا جو ۵۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ انگریزی ترجمہ پر جو پیش لفظ مشہور مؤرخ سرجادو ناتھ سرکار نے لکھا تھا اس کا ترجمہ بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب جس میں غازی الدین حیدر کی خاص بیوی بادشاہ بیگم کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں، اس قدر دلچسپ اور پُراز معلومات ہے کہ شروع کرنے کے بعد جب تک ختم نہ ہو جائے کوئی شخص اسے اپنے ہاتھ سے جدا نہیں کر سکتا یہ وہی غازی الدین شاہ اودھ ہے جس نے اودھ میں مسلکِ سبائیت کو فروغ دیا اور اس کی بیوی بادشاہ بیگم نے اس مذہب میں عجیب و غریب بدعات ایجاد کیں۔ مثلاً امام مہدی کی فرضی چھٹی، ائمہ کی فرضی بیویاں، اچھوتیاں، وغیرہ ان بدعات کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اماموں کی تاریخ ولادت پر بادشاہ خود زچہ بنتا تھا اور اماموں کی فرضی بیویوں کی فرضی زچگی بھی ہوتی تھی۔

"قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا"

سچ تو یہ ہے کہ بادشاہ اور بیگم کے ان کارناموں کے سامنے طلسم ہوشربا بھی ہیچ ہے۔

سیّد احمد شہید کی صحیح تصویر

مصنف وحید احمد مسعود۔ ناشر: مکتبہ مسعود مسجد گراؤنڈ دام گڑھ لاہور۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۲۴۰ نیوز پرنٹ

قیمت: ۲ روپے ۲۵ پیسے۔ غیر مجلد۔

مسعود صاحب نے یہ کتاب دراصل بریلوی مکتبِ فکر کی تائید اور دیوبندی مکتبِ فکر کی تردید میں لکھی ہے۔

یہ وہ نزاع ہے جس نے ہندوستان اور پاکستان میں اہل السنت والجماعت کا شیرازہ ایسا منتشر کر دیا ہے کہ وہ غالب اکثریت ہونے کے باوجود فرقِ باطلہ کا استیصال تو کجا، ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں فروغ ہو رہا ہے اور بریلوی حضرات غیر اللہ میں اختیارات تسلیم کر کے انہیں بالواسطہ تقویت پہونچا رہے ہیں۔ مثلاً جس طرح وہ غیر اللہ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے غیر اللہ کو پکارتے ہیں اسی طرح بریلوی حضرات غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ یہاں آکر یہ دونوں (فرقِ باطلہ اور بریلوی) ایک ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بریلوی عقائد کے افراد فرقِ باطلہ کے عقائد قبول کر کے ملّتِ اسلامیہ سے ہمیشہ کے لیے رشتہ منقطع کر لیتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ پوتے کے بجائے دادا ہی کو کیوں نہ مشکل کشا تسلیم کر لیا جائے۔

مگر افسوس کہ قرآن حکیم کسی انسان (غیر اللہ) کو کسی قسم کے اختیارات عطا نہیں فرماتا۔ قال اللہ

ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک ج فان فعلت، فانک اذا من الظالمین ط

وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہٗ الا ھو وان یردک بخیر فلا رآدّ لفضلہ۔

"اے انسان اللہ کے سوا کسی انسان کو مت پکار کیونکہ وہ نہ تجھے نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو فوراً ظالموں میں سے ہو جائے گا (یعنی فلاح سے محروم ہو جائے گا) یاد رکھ! اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کسی انسان (خواہ رسول ہو یا نبی، امام ہو یا ولی) تجھے اس مصیبت سے نجات نہیں دے سکتا۔ کوئی انسان اس مصیبت کا دور کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر وہ تیرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کا رد کرنے والا نہیں ہے۔"

اس آیت کی موجودگی میں جو مسلمان اللہ کے سوا کسی انسان کو پکارے گا وہ فی الفور ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور ظالموں کو کبھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

صہ ۲۲ پر مصنف نے لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر گردن موڑے آگے پیچھے کی ہر شئی دیکھ لیا کرتے تھے۔" مگر تاریخ اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید کرتی ہے۔ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیت پہونچی وہ بریلوی حضرات کے عقائد کی زندہ جاوید تردید ہے یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے ائمہ نور تھے اب یہ بریلوی حضرات کس منہ سے ان کی تردید کر سکتے ہیں؟ وہ جواب میں یہ مصرع پڑھ دیں گے۔

ع "ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند"

تم نے ایک شخص کو نور قرار دیا ہم نے ایک سے زیادہ کو مگر نوعیت و کیفیت جرم تو یکساں ہے۔ ایک روپیہ بطور رشوت لینے والا اور سو روپے بطور رشوت لینے والا دونوں یکساں مجرم ہیں اور دونوں کو ایک ہی دفعہ کے تحت ایک ہی سی سزا ملے گی۔

قرآن کی رو سے کسی نبی یا رسول کو بھی تصرف فی الکائنات کا اختیار نہیں ہے تا بائمہ و اولیا چہ رسد؟ اللہ نے کسی انسان کو کوئی اختیار مرحمت نہیں فرمایا۔

ولا یشرک فی حکمہ احداً

اور اللہ اپنی حکومت میں کسی (انسان) کو شریک نہیں کرتا اور نہ کرے گا۔ یہ آیت بریلویوں کے عقیدۂ مذکور کی تردید میں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی جب خود رسول کو حکومت میں کوئی دخل نہیں تو اولادِ رسول کو کس طرح دخل حاصل ہو سکتا ہے۔ ۲۲

ہم سے طلب فرمایئے

تصانیف مولانا فراہیؒ

تفاسیر

دلائل النظام (عربی) سائز ۲۰×۲۶، صفحات: ۱۳۲
کاغذ عمدہ سفید۔ قیمت: ۴٫۵۰ روپے

مقدمہ تفسیر نظام القرآن	(اُردو ترجمہ)	قیمت	۰٫۹۰ روپے
تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	〃	〃	۰٫۴۵ 〃
〃 سورہ قیامہ	〃	〃	۰٫۶۰ 〃
〃 〃 والشمس	〃	〃	۰٫۵۰ 〃
〃 〃 فیل	〃	〃	۱٫۰۰ 〃
〃 〃 ذاریات	〃	〃	۱٫۳۰ 〃
〃 〃 مرسلات	〃	〃	۰٫۶۰ 〃
〃 〃 والتین	〃	〃	۰٫۷۰ 〃
〃 〃 کوثر	〃	〃	۱٫۱۰ 〃
〃 〃 لہب	〃	〃	۰٫۷۰ 〃
〃 〃 تحریم	〃		۰٫۷۰ 〃
〃 〃 عبس	〃		۰٫۷۰ 〃
〃 〃 والعصر	〃		۰٫۶۰ 〃
〃 〃 کافرون	〃		۰٫۴۵ 〃
〃 〃 اخلاص	〃		۰٫۴۵ 〃
اقسام القرآن	〃		۱٫۳۰ 〃
ذبیح کون ہے؟	〃		۱٫۷۰ 〃

لغت و ادب

اسباق النحو

حصہ اوّل : ۱٫۳۰ روپے
حصہ دوم : ۱٫۰۰ 〃

— ★ —

امثال آصف الحکیم

قیمت: ۱٫۳۷ روپے

جمہرۃ البلاغہ

قیمت: ۱٫۵۰ روپے

مفردات القرآن

قیمت: ۱٫۴۰ روپے

دیوان عربی

قیمت: ۱٫۵۰ روپے

نوائے پہلوی (دیوان فارسی)
قیمت: ۴٫۰۰ روپے

دارالاشاعت الاسلامیہ۔ کرشن نگر لاہور ۱۰

افکار و آراء

ہفت روزہ "المنبر" لائلپور

صدرِ مملکت کی خصوصی توجہ کیلئے

معاصر ہفت روزہ "المنبر" لائلپور ملک کی دینی صحافت کے حلقے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اس کی ۲۹ اپریل کی اشاعت میں ایک اہم اداریہ پاکستان کی داخلی و خارجی سیاست کے ایک خاص پہلو کے بارے میں شائع ہوا ہے۔ قارئین "میثاق" جانتے ہیں کہ ہم میثاق کے صفحات میں ملکی سیاست کو بہت کم زیر بحث لاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فی الوقت ہماری ملکی سیاست کا میدان دین و مذہب سے بہت دور واقع ہوا ہے اور اس میدان کے کھلاڑیوں میں سے کون آتا اور کون جاتا ہے، اس کی مذہبی و دینی اعتبار سے بہت ہی کم اہمیت ہے۔ تاہم "المنبر" کے متذکرہ بالا اداریے میں جو بات کہی گئی ہے، ہمارے نزدیک اس کی اہمیت واقعۃً اتنی ہے کہ ہر مخلص مسلمان اور محب وطن پاکستانی کو اس کی تائید کرنی چاہیے۔۔۔ چنانچہ یہ اداریہ میثاق میں شائع کیا جا رہا ہے۔ کیا عجب کہ اس ذریعے ہی سے یہ ان لوگوں تک پہنچ جائے جو ملک و ملت کی ناخدائی کے منصب پر فائز ہیں اور جن کا اس پر غور و فکر مفید ہو سکتا ہے۔ ——— (اسرار احمد)

ہمیں اس اعتبار سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وزارت یا کسی دوسرے عہدے پر کون صاحب آتے اور کون جاتے ہیں۔ ہمیں نہ کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہے نہ کسی سیاسی جماعت سے سروکار۔ ہماری دلچسپیاں صرف اس حد تک محدود ہیں کہ کوئی شخص کس قدر اسلام، ملتِ اسلامیہ اور پاکستان کے لئے مفید ہے۔ اگر کسی کے آنے سے ان تینوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو ہمارا دیدہ و دل اس کا فرشِ راہ ہے اور اگر کسی کے وجود سے اسلام، ملتِ اسلامیہ اور پاکستان کو خدانخواستہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ متعلقہ افراد و عناصر کو مطلع کریں۔ متوجہ نہ ہوں تو مجبوراً ہیں۔ اس پر بھی وہ سنی ان سنی کر دیں تو غیر مبہم انداز میں بات کہتے رہیں تاکہ اسلام کو انسانیت کے لئے واحد مقبول دین قرار دینے والے اُمتِ محمدیہ کے خالق و مالک اور پاکستان کے عطا فرمانے والے خدائے بزرگ و برتر کے حضور ہم

سرخرو ہو سکیں اور عرض کر سکیں کہ اپنی سی حد تک ہم نے ادائیگی فرض کی جدوجہد کی ہے۔

آج کی سرکاری اطلاع کے مطابق صدر مملکت نے شریف الدین پیرزادہ صاحب کا استعفیٰ وزارتِ خارجہ سے منظور کر لیا ہے اور ان کی جگہ بھارت میں پاکستان کے سفیر میاں ارشد حسین صاحب کو وزیر خارجہ کی حیثیت سے نامزد کر دیا ہے۔

پیرزادہ صاحب نے اپنے زمانہ میں پاکستان کی کیا خدمت کی ہے یا انہیں کس قدر موقعہ ملا ہے؟ ان سوالات کا جواب غیر ضروری ہے عام تاثر یہ ہے کہ وزیر خارجہ سے زیادہ نائب چیئرمین منصوبہ بندی مرزا مظفر احمد ایم ایم احمد بیرونی ممالک سے رابطہ قائم رکھے رہے ہیں اور ان کی شہرت بیرونی ممالک میں وزیر خارجہ سے زیادہ ہوئی ہے اور اندرون ملک بھی انہی کو زیادہ پبلسٹی ملی ہے۔ اور غالباً یہ بھی صحیح ہے کہ بعض ممالک نے اپنے خصوصی رجحانات کے تحت ایم ایم احمد کو زیادہ مقبول بنانے کے لئے پاکستان کی امداد کی جانب قدرے بہتر توجہ کا ثبوت مہیا کیا ہے۔

رہے میاں ارشد حسین تو ان کے بارے میں، ماضی میں پاکستان کے متعدد حلقوں نے متعدد مواقع پر اظہار خیال کیا ہے اور بھارت میں ان کی موجودگی پر بعض ایسے حقائق پیش کئے ہیں جن کا جواب غالباً کسی حلقے کی جانب سے نہیں دیا جا سکا لیکن اب جبکہ انہیں بطور وزیر خارجہ پاکستان نامزد کیا گیا ہے تو ایک "مسلم لیگی" اخبار نے بعض حلقوں کے حوالے سے ذیل کا تاثر تعارف اور پس منظر کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔

"کہ میاں ارشد حسین کی نجی تربیت کا پس منظر کوئی بہت زیادہ حوصلہ افزا نہیں۔ ان کے والد مکرم میاں افضل حسین بہت بڑے ماہر تعلیم ضرور ہیں لیکن ان کی عملی جہدوں سے پاکستان استفادہ نہیں کر سکا اسی طرح میاں سرفضل حسین کا رجحان طبع اور انداز فکر قائد اعظم کے انداز فکر سے ٹکرانے کے لئے پر تولتا رہا یہ الگ بات ہے کہ میاں سرفضل حسین مرحوم کی وفات نے اس کھلے معرکے کا موقع نہ آنے دیا تاہم سیاسی میدان میں وہ کمی پہلے کسی رنگ میں سرسکندر مرحوم نے اور آخر میں سرخضر حیات خاں ٹوانہ نے پوری کی۔ میاں ارشد حسین کے بطور وزیر خارجہ تقرر سے ایک بار پھر یہ حقائق سامنے آگئے ہیں اور جب تک میاں ارشد حسین کو خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے یہ موقعہ نہیں مل جاتا کہ وہ پاکستان کے لئے کسی غیر معمولی شوق و محبت کا اظہار کریں اور صدر پاکستان کے صحیح معنوں میں عمدہ لیفٹیننٹ ثابت ہوں عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کا وہ رکم وبیش وہی آگیا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خاں کے وقت تھا ہم یہاں واضح کر دیتے ہیں کہ ہمارا مقصد کسی طرح بھی یہ نہیں کہ میاں ارشد حسین کے عقائد کا کوئی تعلق چوہدری ظفر اللہ خاں سے ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مخصوص عقائد کے

باعث چوہدری سرظفر اللہ خاں اپنی جماعت کے لئے بے حد متعصب تھے اور ہیں اور اس تعصبیت میں وہ اسلام کو اپنے فرقے کے مقابلے میں غالباً دوسرا اور پاکستان کو کہیں اس کے بعد کا درجہ دیتے ہیں ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بیس سال کے بعد پاکستان کی وزارت خارجہ پر میاں ارشد حسین فائز ہوئے ہیں اور میاں ارشد حسین کا ذہنی تاروپود پاکستان کی تحریک سے منظم وابستہ نہیں اور جہاں تک میاں ارشد حسین کے فاضل والد مکرم میاں افضل حسین اور مکرم بزرگ سرفضل حسین مرحوم کا تعلق ہے وہ ذہناً سفید دنیا کے قریب ہیں اور میاں سرفضل حسین تو چوہدری سرظفر اللہ خاں کو سیاست کے اعلیٰ مناصب پر لانے والے ہیں ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کے میلان طبعی کی نشاندہی ہو سکتی ہے۔" (عوام لائل پور ۲۵ اپریل ۱۹۶۸ء)

اس تحریر میں ——————— جن واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے قطعی ہیں اور ان کے خلاف کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ہم اس پر اس قدر اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت ایم ایم احمد نائب چیئرمین منصوبہ بندی ہیں اور درحقیقت وہ پاکستانی معیشت، پاکستان کے وسائل اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی ترجمانی کے منصب جلیل پر فائز ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے حصول امداد و حصول قرضہ جات مزید براں پاکستان کی منصوبہ بندی بالفاظ دیگر پاکستان کو دفاعی صنعتی اور تہذیبی و ثقافتی ڈھانچوں میں سے دنیا کے کس بلاک کے سانچوں کے مطابق ڈھالا جائے اور اندرون پاکستان اقتصادی و معاشی اعتبار سے مساوات عامہ کو معمول بنایا جائے یا کسی خاص گروہ اور عنصر کو نوازا جائے اور مستقبل کے لئے تیار کیا جائے ——— یہ سبھی شعبے ان سے متعلق ہیں۔

دوسرا رخ پاکستان کے حال و مستقبل کا ہے۔ صدر مملکت کے سائنسی امور کے مشیر اعلیٰ عبدالسلام ہیں اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ موجودہ دنیا میں بالعموم اور ہمارے صدر مملکت کے رجحانات میں بالخصوص اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہے اور پاکستان اگر اس باب میں کوئی قابل ذکر مقام حاصل کر سکتا ہے تو دنیا کے ان ممالک سے استفادہ سے کر سکتا ہے جو سائنسی ترقی کے جدید مقام پر فائز ہیں اور یہ ممالک کبھی بھی اپنے مخصوص رجحانات و مفادات کو نظر انداز کر کے اس عنوان پر پاکستان کی ایسی مدد نہیں کر سکتے جو اسے سائنس میں خود کفیل بنانے کا ذریعہ بن سکے اور ان مفادات و رجحانات سے گہرا تعلق صدر محترم کے ان مشیر خاص ہی کا ہو سکتا ہے تیسرا پہلو یہ ہے کہ ہماری ملی اور سیاسی قسمت کا مستقبل اس سے وابستہ ہے کہ آئندہ انتخابات کس رخ اور ڈھب پر چلتے ہیں اور اس کا مدار بڑی حد تک الیکشن کمشنر پر ہے اور وہ ہیں فاروقی صاحب جنہوں نے پچھلے دنوں اپنے بعض نائبین کو بھی مقرر کیا ہے یا ان کے بعض نائب نامزد کئے گئے ہیں اور ظاہر ہے وہ انہی رجحانات کے حامل ہوں گے جو فاروقی صاحب کے ہیں۔ اس کے بغیر "ٹیم ورک" ممکن نہیں۔ ان ہر سہ پہلوؤں یا

ان تین اقانیم پر بطور راہنما اور نگران کے ہمارے صدر مملکت ہیں۔ ہم ایک حد تک جانتے ہیں کہ صدر مملکت

● آزاد خارجہ پالیسی کے سب سے بڑے علمبردار ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں بعض اہم کارنامے انجام دیئے اور سیاسی حد تک ان سے پاکستان کو فائدہ پہنچا ہے۔

● انہیں سفید بلاک، بالخصوص امریکہ و برطانیہ کے بارے میں بعض شدید تجربات سے گذرنا پڑا ہے اور انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا ہے مگر یہ ممالک جو مرحوم لیاقت علی خاں کے الفاظ میں پاکستان کو "مٹی کا مادھو" اور "اپنے گھڑے کی مچھلی" دیکھنے کے آرزومند ہیں ہر لحہ اس موقعہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے اندرون ملک کن عناصر سے کام لیا جائے اور باہر سے کس قدر دباؤ پاکستان پر ڈالا جائے

● ان عناصر کے انتخاب کے لئے جہاں مالی امور بے حد اہمیت رکھتے ہیں وہاں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ صدر مملکت ان جمہوریتوں کو اپنے خصوصی تصورات سے ہم آہنگ دیکھنے کے آرزومند ہیں اور بیرونی ممالک دنیا کے دوسرے "ترقی پذیر" ملکوں کی طرح یہاں کا سیاسی ڈھانچہ اپنی مرضی کے مطابق بنانے کے درپے ہوں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ صدر مملکت کے دست راست اس گروپ کے ذہنی رجحانات سیاسی تصورات اندرون و بیرون ملک ان کے مقاصد صدر مملکت کے تصورات و مقاصد سے کس حد تک ہم آہنگ ہیں ؟

ہمارے معزز معاصر نے اپنے مختصر مگر جامع تبصرہ میں جو اشارات کئے ہیں وہ بڑی حد تک اس سوال کا جواب مہیا کرتے ہیں۔ ہم ان پر اس کے سوا کچھ اضافہ نہیں کرنا چاہتے کہ :

ایم ایم احمد، عبدالسلام اور فاروقی یہ تینوں حضرات نہ صرف یہ کہ سیاسی اعتبار سے سفید دنیا کے معتقد ہیں اور عہد طفولیت سے اب تک اس دنیا کے مداح رہے ہیں بلکہ یہ حضرات، سر ظفراللہ کی طرح اس ایمان و عقیدے کے بھی حامل ہیں کہ برطانیہ اور اس کے ساتھی ممالک بھی واجب الاطاعت ہیں اور ان کا مذہبی فریضہ ان کی حمایت اور ان کے مقاصد کی تکمیل ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ جماعت ان کے لئے ایک ایسے مقدس ملک کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ان کے ہادی پیشوا اور نبی مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اس ملک کو اس نبی کی بعثت کیلئے ساری دنیا سے ممتاز قرار دیا اور اس ملک کے ایک شہر کو اس کا پایۂ تخت رسول بنایا۔

مذہبی تصورات سے یکسر الگ رہتے ہوئے ہم اس جانب صدر مملکت کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ سفید اقوام کی طرح بھارت کا مسئلہ بھی ہماری سیاسی اور خارجی پالیسی کا اہم نکتہ ہے اور ایسے افراد و اشخاص جو بھارت کے بارے میں پاکستان کے عام ایسے ادنیٰ افراد سے کہ صدر مملکت تک کے تصورات سے یکسر الگ رائے رکھتے ہوں۔ ان کے بارے میں ہم سے لاکھوں گنا زیادہ صدر مملکت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ

(باقی ص ۶۳ پر)

سوال و جواب

اسرار احمد

اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی

سوال | "میں اسلامی جمعیت طلبہ کا کارکن ہوں اور تقریباً چھ ماہ سے جمعیت کے ساتھ منسلک ہوں۔ میرے کچھ دوست جمعیت کی مخالفت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اسے جماعت اسلامی کی ایک شاخ قرار دیتے ہیں۔ ان کے کہنے سے میں نے جماعت اسلامی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور ایک حد تک یہ بات مان لی کہ جماعت اسلامی کے کچھ کام غیر شرعی ہیں، اور مودودی صاحب کی کتابوں میں کچھ عبارتیں اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہیں۔ جب میں نے جمعیت طلبہ کے اپنے حلقے کے ناظم اور دوسرے عہدے داروں سے اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے تعلق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ جمعیت کا جماعت اسلامی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

مارچ ۱۹۶۸ء کے "میثاق" میں "تحریک جماعت اسلامی" نامی ایک کتاب کا اشتہار پڑھا اور جب ان سطور پر پہنچا تو چونک اٹھا۔ "مرتبہ: ڈاکٹر اسرار احمد (ایم اے - ایم - بی - بی - ایس) سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان اور سابق امیر جماعت اسلامی ساہیوال"۔ اب مجھے پوری امید ہو گئی کہ آپ میری الجھنوں کو حل کر دیں گے کیونکہ آپ جمعیت کے ناظم اعلیٰ رہ چکے ہیں اور اس کے بعد جماعت اسلامی ساہیوال کے بھی۔ لہٰذا جمعیت اور جماعت اسلامی دونوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہوں گے۔ براہ کرم مجھے یہ بتایئے کہ : (۱) کیا اسلامی جمعیت طلبہ جماعت اسلامی کی شاخ ہے ؟ (۲) کیا جمعیت اور جماعت ایک ہی مقاصد کے تحت کام کر رہی ہیں ؟ (۳) کیا جمعیت کی سرپرستی جماعت اسلامی کر رہی ہے ؟ (۴) کیا مودودی صاحب جمعیت اور جماعت اسلامی دونوں کی رہنمائی کر رہے ہیں ؟ اور (۵) کیا جمعیت اور جماعت اسلامی دونوں کے درمیان کوئی اندرونی رشتہ بھی ہے ؟

براہ کرم آپ مجھے ان سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ میں حقیقت سے پوری طرح واقف ہو سکوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ فقط

عبدالرزاق بہ معرفت اسلامی جنرل سٹور اسٹاک روڈ مونگی لین ۔ پا - ۲ - "

ملہ سائل کا نام اور پتہ اس لیے شائع کیا جا رہا ہے کہ اپریل کے "میثاق" کے "تذکرہ و تبصرہ" میں جو ایک خط شائع کیا گیا تھا اس پر جماعت اسلامی کے ایک مستقل ۔۔۔ نامہ و ثنا خواں نے یہ اعتراض وارد کیا تھا کہ اس خط نگار کا نام اور پتہ کیوں شائع نہیں کیا گیا

جواب

آپ کے خط کا جواب میں ایک نجی خط کی طرح ڈاک سے بھی دے سکتا تھا لیکن اپنے اس خط میں آپ نے اپنی جس الجھن کا حل مجھ سے چاہا ہے حال ہی میں چند اور اصحاب نے بھی بعینہٖ یہی الجھن میرے سامنے پیش کی ہے۔ ان حضرات سے بھی مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس طرح صاف انکار جمعیت کے ناظم حلقہ نے جمعیت اور جماعت کے تعلق کے بارے میں آپ سے کیا ہے اسی طرح کی قطعی تردید (CATEGORIAL DENIAL) ذمہ داران جمعیت دوسرے مقامات پر بھی کر رہے ہیں۔ انتہائی افسوس اور رنج کی بات ہے کہ جو لوگ بزعم خویش 'اقامت دین' کی جدوجہد میں مصروف ہوں وہ ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی دامن صدق و صفا کو اس طرح تار تار کر دیں۔ حالانکہ وہ اگر ذرا عقل اور سمجھ بوجھ سے کام لیں تو یہ بات واضح ہے کہ اس طرح کے مغالطے میں کسی کو زیادہ دیر تک مبتلا نہیں رکھا جا سکتا لیکن یہ بھی غالباً اس 'نظریہ حکمت عملی' کی کارفرمائی ہے۔ ادھر دس بارہ سال سے جمعیت کی (PARENT ORGANISATION) کی تمام پالیسیوں کے بنیادی پتھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

جب میں 'اسلامی جمعیت طلبہ' کا ایک رکن تھا تو اس زمانے میں ان سوالات سے جو آپ نے کئے ہیں سابقہ رہتا تھا۔ میں اس کا جو جواب اس وقت دیا کرتا تھا وہ یہ تھا کہ جہاں تک تنظیم کا تعلق ہے جمعیت طلبہ کی اپنی آزاد تنظیم ہے۔ البتہ جو کام یہ کرنا چاہتی ہے وہ اس اسلامی تحریک کا ایک حصہ ہے جسے ہمارے ملک میں جماعت اسلامی لیکر اٹھی ہے۔ میں نے اپنے زمانہ تعلیم کے اختتام پر جماعت اسلامی کی رکنیت کی جو درخواست دی تھی اس میں یہ وضاحت بھی کی تھی کہ

"چار سال میں جمعیت طلبہ میں رہا ہوں تو اسی تصور کے تحت کہ یہاں کام کر کے میں دراصل جماعت اسلامی ہی کا کام کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں میں نے واضح طور پر مولانا مودودی صاحب امیر جماعت سے استصواب کرکے ان کی رضامندی حاصل کر لی تھی اور اب جبکہ دور طالب علمی کے اختتام پر میں جمعیت طلبہ سے علیحدہ ہو چکا ہوں تو اپنی پہلی فرصت میں یہ درخواست رقم کر رہا ہوں۔ چاہتا تو میں یہ تھا کہ جس روز جمعیت طلبہ سے علیحدہ ہوں اسی روز جماعت کی رکنیت کی درخواست دے دوں اور ایک دن بھی مجھ پر جماعتی زندگی کے بغیر نہ گزرے لیکن صرف اس وجہ سے کہ معلوم نہ تھا کہ کہاں (SETTLE) ہونگا اور کہاں رپورٹ دینی چاہیئے تقریباً پندرہ دن کی دیر ہو گئی ہے۔ بہرحال آج یہ درخواست دینے کے بعد مطمئن ہوں گا کہ میں نے اپنی طرف سے اپنے آپ کو جماعت کی رکنیت کیلئے پیش کر دیا ہے اور اس حیثیت سے جب تک میری رکنیت منظور ہو اس وقت تک بھی اپنے طور پر میں جماعت کے بغیر زندگی بسر نہیں کر رہا ہوں گا۔" (تحریر ۱۵ دسمبر ۵۴ء)

میری اس درخواست پر بغیر کوئی اعتراض وارد کئے مجھے فروری ۵۵ء میں جماعت کا رکن بنا لیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کی جانب سے تو میرے اس موقف کی مکمل تصویب و توثیق ہو گئی۔ جمعیت والے اگر چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریر کی ذمہ داری ہم پر نہیں لیکن ایسا کہتے ہوئے وہ اگر ذرا سی توجہ اپنے ضمیر کی طرف منعطف کریں تو یقیناً انہیں وہ احتجاج کرتا محسوس ہوگا۔ میں اپنے

ان عزیزوں سے گزارش کرتا ہوں کہ یا کسی واقعی ضرورت اور شدید مصلحت کے تحت جھوٹ بولنا تو غالباً اس نظریہ حکمت عملی کی رو سے بھی صحیح نہیں جیسا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ بات جو فی الواقع ہے اسکے بیان سے بھی کوئی بڑی آفت نہیں آئیگی اور یہ فائدہ یقیناً ہوگا کہ اصل صورت واقعہ اور بیان حال کے اس بُعد سے بچاؤ ہو جائے گا جس سے انسانی شخصیت کے دوغلے پن کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اور جو بالآخر نفاق پر منتج ہوتا ہے۔

اب میں آپ کے سوالات کا جواب نمبروار درج کرتا ہوں۔

۱۔ آپکے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میرے علم کی حد تک اسلامی جمعیت طلبہ تنظیمی اعتبار سے جماعت اسلامی کی 'شاخ' نہیں ہے۔ اپنے دور رکنیت جمعیت کے اختتام تک کیلئے تو میری شہادت قطعی ہے بعد کے بارے میں یقینی علم تو مجھے نہیں البتہ میرا گمان غالب یہی ہے۔ (۲، ۳، ۴) آپکے دوسرے تیسرے اور چوتھے سوالات کا جواب یہ ہے کہ جمعیت طلبہ میں بعینہٖ اسی مقصد کیلئے کام کر رہی ہے جس مقصد کیلئے ملکی سیاسیات کے میدان میں جماعت اسلامی برسرعمل ہے۔ انکے نظریات اور مقاصد میں سر مو بھی کوئی فرق نہیں اور جسطرح جماعت اسلامی کے تمام نظریات اور پورے فکر کا منبع اور سرچشمہ جناب مودودی صاحب کی ذات ہے اسی طرح اسلامی جمعیت طلبہ اپنے فکر، فلسفے، نظریئے، عقیدے، طریق کار حتیٰ کہ روزمرہ کی پالیسیوں تک میں بے ضابطہ مگر گہرے جذبۂ عقیدت اور شدید ذہنی مرعوبیت کے ساتھ مودودی صاحب ہی سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی نہ صرف یہ کہ جمعیت کو جماعت کی سرپرستی حاصل ہے لیکن اسکا عین وجود جماعت ہی کا رہین منت ہے!

۵۔ "اندرونی رشتہ" ایک مبہم سی اصطلاح ہے۔ حقیقتاً سب سے بڑا "اندرونی رشتہ" قلبی لگاؤ اور ذہنی تعلق کا ہوتا ہے۔ تو وہ تو بیسیا کہ میں نے عرض کیا بدرجۂ اتم موجود ہے۔ رہا یہ کہ خفیہ طور پر کوئی ضابطے کا تعلق بھی ہو تو میرے گمان کی حد تک نہ ایسا ہے اور نہ ہی متذکرہ بالا 'اندرونی رشتوں' کی موجودگی میں اسکی کوئی ضرورت ہے۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ ــــ

بقیہ: صدر مملکت کی خصوصی توجہ کیلئے

سوچیں کہ ان کے سیاسی رجحانات کی تکمیل کے لئے اور بین الاقوامی دنیا میں ان کے صحت مندانہ نظریات کیلئے یہ حضرات کس حد تک مفید ثابت ہو سکتے ہیں بالخصوص جبکہ پاکستان کی اندرونی اور بیرونی تمام قوتوں اور تمام ذرائع و وسائل اور جملہ پالیسیوں میں صدر محترم کی کامیابی کا انحصار ان کلیدی آسامیوں پر ہو جن پر ایک ہی نقطۂ نظر کے حامل یہ حضرات فائز ہیں۔

اور ــــ جب بھی ان کے بارے میں سوچا جائے گا معاصر عوام کے اس جملے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ

"عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کا دور کم و بیش وہی آگیا ہے جو چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے وقت تھا۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ اس اہم ترین مسئلے پر یہ گذارشات صدر مملکت تک پہنچیں اور وہ ان پر غور فرما سکیں۔

(بقیہ از صفحہ)

اور پھر اس کے فوراً بعد واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل آیاتِ الٰہی کی تکذیب کے مترادف ہے:۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (ترجمہ) بری ہے مثال ان لوگوں کی جو جھٹلاتے ہیں اللہ کی آیات کو۔

اور ساتھ ہی یہ سنت اللہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ترجمہ) اور اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میرا یا آپ کا شمار اللہ کے نزدیک ان لوگوں میں ہو اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں صحیح معنی میں قرآن کا حامل بنائے۔

سورۂ فرقان کی اس آیت کریمہ میں کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (آیت ۳۰) (ترجمہ) اور کہا رسولؐ نے اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا۔

اگرچہ اصلاً تذکرہ ان کفار کا ہے جنکے نزدیک قرآن مجید سرے سے کوئی قابلِ التفات چیز ہے ہی نہیں لیکن قرآن کے وہ ماننے والے بھی یقیناً اس کے ذیل میں آتے ہیں جو عملاً قرآن کیساتھ عدم توجہ و التفات کی روش اختیار کریں۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اسکی تلاوت نہ کرنا، اسکی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کرکے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔"

میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ہمارا شمار ایسے لوگوں میں ہو۔ اور اسی دعا ماثورہ پر اپنی اس تقریر کو ختم کرتا ہوں جو بالعموم صرف ختمِ قرآن پر پڑھی جاتی ہے لیکن جس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ہمیں کثرت کیساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیئے تاکہ ہمیں قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے کی توفیق بارگاہِ ربّ العزت سے حاصل ہو جائے۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ۝ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ اٰنَاۗءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اٰمِيْن

پروردگار، ہم پر قرآن عظیم کی بدولت رحم فرما، اور اسے ہمارے لیے پیشوا، نور اور ہدایت و رحمت بنا دے پروردگار اس میں سے جو کچھ ہم بھولے ہوئے ہیں وہ ہمیں یاد کرا دے اور جو ہم نہیں جانتے ہمیں سکھا دے، اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ اسکی تلاوت کریں راتوں کو بھی اور دن کے حصوں میں بھی اور بنا دے اسے دلیل ہمارے حق میں۔ اے تمام جہانوں کے پروردگار!! (آمین)

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول —— مشتمل بر

مقدمہ وتفاسیرآیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک: ایک روپیہ بچھتر پیسے)

(اکتیس روپے بچھتر پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے نمونہ کے طور پر طلب کرنے کے لئے صرف پچاس پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

بڑا سائز۔ صفحات ۳۶۔ ہدیہ ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور نمبر ۱ فون نمبر 69522

(سول ایجنٹ برائے بھارت: کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ — لکھنؤ)